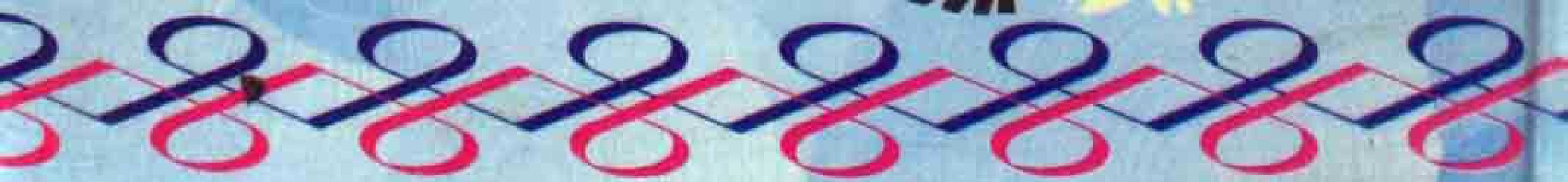
سرگزشتِ ابنِ تیمیہ

از افادات

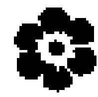
علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تدوین

سید محمد ناصر عثمان شاہ گیلانی
ایم اے عربی ○ ایم اے اسلامیات



سرگزشت ابنِ تیمیہ



ازافادات

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تدوین

سید محمد ناصر عثمان شاہ گیلانی

ایم اے عربی ○ ایم اے اسلامیات



نوری کتب خانہ لاہور

بفیضان کرم قدس سرہ
الحاج پیر سید محمد معصوم شاہ گیلانی
قادری نوری

بفیضان نظر
الحاج پیر سید محمد حسن شاہ گیلانی مدظلہ
قادری نوری

اہتمام اشاعت
پیرزادہ سید محمد عثمان نوری

2000ء

نام کتاب

از افادات

ترتیب و تزئین

مطبع

ناشر

قیمت

تقسیم کار

نیو نوری کتب خانہ بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور
نیو نوری بک ڈپو دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ لاہور
ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور
مکتبہ رحمانیہ اقرا سنٹر اردو بازار لاہور
ضیاء القرآن پبلی کیشنز اردو بازار کراچی

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۲۲۔	زیارت روضۂ اقدس کو بھی ابن تیمیہ نے غیر مشروع بتایا ہے	۳۸
۲۳۔	ابن قیم کے رسالہ نونیہ کا رد	۳۹
۲۴۔	جمہور علماء نے ابن تیمیہ کی مخالفت کی	۴۵
۲۵۔	حواشی	۴۷
	دوسرا مقالہ	
۲۶۔	مسئلہ جہت کا بیان اہل سنت کے عقائد کی روشنی میں	۴۹
۲۷۔	رسالہ شیخ شہاب الدین ابن جمیل	۵۴
۲۸۔	مذہب حسویہ مسلک سلف صالحین	۵۵
۲۹۔	روئے سخن ابن تیمیہ	۵۹
۳۰۔	اہل سنت و جماعت اور مشائخ طریقت کا عقیدہ	۶۲
۳۱۔	ابن تیمیہ کے دعویٰ کی تردید	۶۶
۳۲۔	آیات سے استدلال کا جواب	۶۸
۳۳۔	احادیث سے استدلال کا جواب	۷۷
۳۴۔	متکلمین پر طعن اور اس کا جواب	۹۳
۳۵۔	صحابہ کرام اور آئمہ کے اقوال سے استدلال کا جواب	۱۰۲
۳۶۔	صفات باری تعالیٰ کے متعلق ہدایات	۱۱۱
	فصل اول	
۳۷۔	جہت سے پاک ہونے کے دلائل	۱۱۶
	فصل ثانی	
۳۸۔	مدعی کی ملمع سازی کی تردید	۱۲۴
۳۹۔	حواشی	۱۴۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد خاتم النبیین وعلی الہ الطیبین وذریتہ المبارکین وصحابتہ الاکرمین وازواجہ امہات المومنین وتابعیھم باحسان یوم الدین۔

امابعد! فقیر محمد نور بخش آپ برادران اہل اسلام کی خدمت میں گزارش پرداز ہے کہ ہمارے ملک میں کچھ عرصہ سے ابن تیمیہ کے بعض رسائل و کتب اور ان کے اردو تراجم شائع ہو رہے ہیں' جن سے غرض عامۂ مسلمین میں اس کے خاص مسائل کی اشاعت ہے۔ ان ہی مسائل کے سبب سے اس کی زندگی کا ایک حصہ جیلوں میں گزرا اور مسلمانوں میں ایک فتنہ برپا ہو گیا' جو علماء و حاکم وقت کی سعی سے دب گیا۔ مگر صدیوں بعد وہی فتنہ نجد میں نمودار ہوا جہاں سے حسب ارشاد حضور مخبر صادق ﷺ شیطان کا سینگ نکلا۔ اس قرن الشیطان کی سرپرستی میں اس فتنہ نے بڑا زور پکڑا اور رفتہ رفتہ ہندوستان میں بھی پہنچ گیا' آخر کار ہوا جو ہوا۔ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

اس سلسلے کے اکابر علماء یہ ہیں۔ ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ)۔ اس کے شاگرد ابن القیم (متوفی ۷۵۱ھ) اور ابن عبدالهادی (متوفی ۷۴۴ھ) محمد بن عبدالوہاب نجدی (متوفی ۱۲۰۶ھ) مولوی اسماعیل دہلوی نام نہاد شہید (متوفی ۱۲۴۷ھ) اور محمد بن علی شوکانی (متوفی ۱۲۵۰ھ) ان کے علاوہ داؤد ظاہری (متوفی ۲۷۰ھ) اور ابن حزم ظاہری (متوفی ۴۵۶ھ) بھی اسی سلسلہ کی بالائی کڑی ہیں' مگر ابن تیمیہ سب

سے مشہور ہیں۔

ہندوستان میں اس وقت بھی بعض تیمی مشرب لوگ موجود ہیں۔ جنہیں وہابیہ یا غیر مقلدین کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنے عقائد باطلہ کی تبلیغ میں سرگرم رہتے ہیں۔ چنانچہ اردو میں بھی ابن تیمیہ کے حالات شائع ہوئے ہیں جن میں اس کے عقائد باطلہ کی بیجا حمایت کی گئی ہے اور پردہ پوشی' ملمع سازی' بلکہ غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔

حالات مذکورہ بالا کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کتاب شائع کی جاتی ہے۔ جس میں دو مقالے ہیں۔ پہلے مقالہ میں سرگزشت ابن تیمیہ ہے جس سے اصول و فروع میں اس کے شواذ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اور دوسرے مقالہ میں ابن تیمیہ کے ایک ہم عصر عالم کے عربی رسالہ کا اردو ترجمہ ہے' جو ابن تیمیہ کے مسئلہ جہت کا رد ہے۔ وَاللّٰهُ هُوَ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ

پہلا مقالہ

سرگزشت ابن تیمیہ

نام و کنیت:

پورا نام یوں ہے۔ ابو العباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن الخضر بن محمد بن الخضر بن علی بن عبداللہ ابن تیمیہ' اس کنیت کی توجیہ میں کہا گیا ہے کہ اس کا جد محمد بن خضر حج کو گیا۔ تو اس کی بیوی حاملہ تھی۔ راستے میں تیماء [1] کے دروازے سے گزرا۔ وہاں اس کی نظر ایک خوبصورت لڑکی پر پڑی جو خیمہ سے نکل رہی تھی۔ جب وہ حج سے واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی نے ایک لڑکی جنی ہے۔ اس بچی کو دیکھتے ہی اس کی زبان سے نکلا۔ یا تیمیہ! اس لئے لقب یہ ابن تیمیہ ہو گیا۔ ابن نجار کا قول ہے کہ ہم سے ذکر کیا گیا کہ محمد مذکور کی والدہ کا نام تیمیہ تھا اور وہ واعظہ تھی۔ اس لئے اس کی طرف منسوب ہو گیا۔ [۲]

ولادت و طفولیت:

ابن تیمیہ بتاریخ ۱۰ ماہ ربیع الاول' بروز دو شنبہ اور بقول بعض ۱۲ ربیع الاول ۶۶۱ھ میں ملک شام کے شہر حران میں پیدا ہوا جو زردشت کا مولد ہے۔ یہ ابھی بچہ ہی تھا کہ اس کے والد نے تاتاریوں کے جورو جفا کے سبب سے عیال سمیت دمشق کی طرف ہجرت کی۔ دشمنوں کے ڈر سے رات کو سفر کرتے' کوئی چوپایہ ساتھ نہ تھا۔ اس لئے کتابیں ایک چھکڑے میں بھری ہوئی تھیں' جسے وہ خود ہی

گھسیٹتے۔ ایک رات وہ چھکڑا کیچڑ میں پھنس گیا۔ انہوں نے بارگاہ الٰہی میں تضرع و فریاد کی اور ان کی مشکل حل ہو گئی۔ اسی طرح ۶۶۷ھ میں وہ دمشق پہنچ گئے۔ شیخ عبدالحلیم چونکہ علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور خود بھی عالم تھے۔ اس لئے علماء شام و ارباب حکومت نے آپ کا اکرام کیا اور تدریس کی خدمت آپ کے سپرد کی۔

تعلیم و تدریس:

ابن تیمیہ نے بقول ابن عبدالہادی تفسیر و حدیث و فقہ و اصول فقہ وغیرہ میں تعلیم پائی اور ابھی بیس سال کا نہ ہوا تھا کہ فارغ التحصیل ہو گیا۔ جب اس کے والد شیخ عبدالحلیم نے ۶۸۲ھ میں وفات پائی تو اس خاندان کی غربت و ملی حالت کو دیکھ کر ابن تیمیہ کو ان کی جگہ مقرر کر دیا اور حوصلہ افزائی کے لئے علماء بھی اس کے درس میں شامل ہونے لگے اور اس کی تعریفیں کرنے لگے۔

عقیدہ حمویہ:

ابن تیمیہ نے افتاء و تصنیف کا کام تدریس سے بھی ذرا پہلے شروع کر دیا تھا۔ زبان تیز۔ قلم رواں۔ حافظہ زبردست اور مطالعہ وسیع تھا۔ بلاد شرق میں تاتاریوں کے غلبہ کے سبب سے دمشق میں مذاہب باطلہ کی کتابیں بکثرت تھیں۔ جن میں سے اکثر پر اس کا عبور تھا' وہ علماء وقت کی تعریفوں میں مغرور ہو گیا تھا اور اپنے تئیں مجتہد سمجھنے لگا تھا۔ بے استاذ مطالعہ کی وسعت سے اس کے دماغ میں حشویہ کے اوہام پیدا ہو گئے' جن کے اظہار کا پہلا موقع ۶۹۸ھ میں پیش آیا۔ جسے اس کا شاگرد ابن عبدالہادی یوں ذکر کرتا ہے۔

"ہمارے استاد نے مسئلہ معروفہ حمویہ ۶۹۸ھ میں ظہر و عصر کے درمیان

ایک نشست میں لکھ دیا۔ اور وہ جواب ہے ایک سوال کا صفات کے متعلق جو شہر حماۃ (واقع ملک شام) سے آیا تھا۔ اس کے سبب سے آپ کو تکلیف ہوئی۔ اور اللہ نے آپ کو نصرت دی اور آپ کے دشمنوں کو ذلیل کیا۔ (۳)"

اس فتویٰ میں ابن تیمیہ نے متکلمین پر طعن کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت علو یعنی اوپر کی طرف میں ہے۔ ابن عبدالہادی کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے ابن تیمیہ کو نصرت دی اور اس کے دشمنوں کو ذلیل کیا۔ بالکل غلط ہے' بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

اس فتویٰ کے سبب سے فقہاء کی ایک جماعت ابن تیمیہ کے مخالف ہو گئی۔ آپ سے مباحثہ کیا گیا اور آئندہ فتویٰ دینے سے روک دیا گیا۔ پھر آپ قاضی امام الدین قزوینی کے پاس گئے۔ اس نے اور اس کے بھائی جلال الدین نے کہا کہ جو شخص تقی الدین پر نکتہ چینی کرے گا' ہم اسے سزا دیں گے۔ جب رفتہ رفتہ ایسے امور ناصر الدین شاہ مصر کے کان تک پہنچے۔ تو اس نے دمشق میں اپنے نائب کے نام فرمان بھیجا کہ اس شخص کا عقیدہ پرکھا جائے۔ چنانچہ ۷ رجب ۷۰۵ھ کو اسی غرض کے لئے نائب کے محل میں ایک مجلس منعقد کی گئی' اور آپ سے کہا گیا کہ اپنا عقیدہ بیان کیجئے۔ آپ نے کچھ پڑھ کر سنایا۔ پھر آپ کا عقیدہ واسطیہ پیش کیا گیا اور اس کے کئی مقامات پر بحث ہوئی۔

۱۲ رجب ۷۰۵ھ کو دوسری مجلس منعقد ہوئی۔ جس میں آپ کے ساتھ بحث کے لیے پہلے صفی الدین ہندی مقرر ہوا' پھر اسے ہٹا لیا گیا اور کمال الدین بن زملکانی کو پیش کیا گیا۔ انجام یہ ہوا کہ ابن تیمیہ نے کہہ دیا کہ میں شافعی العقیدہ

ہوں‘ اس پر اس کے اصحاب نے مشہور کر دیا کہ ابن تیمیہ کامیاب ہوا ہے۔ اس لیے مخالفین ناراض ہو گئے۔ انھوں نے ابن تیمیہ کے ایک پیرو کو جلال الدین قزوینی نائب الحکم کی عدالت میں پیش کر دیا اور وہ سزایاب ہو گیا‘ اسی طرح قاضی حنفی نے دو اور کو سزا دی۔

۲۲ رجب ۷۰۵ھ کو حافظ جلال الدین مزی نے جامع مسجد میں امام بخاری کی کتاب افعال العباد پڑھی‘ جس میں ایک فصل جہمیہ کے رد میں تھی۔ اس سے شوافع ناراض ہو گئے اور کہنے لگے کہ اس کا روئے سخن ہماری طرف تھا۔ حافظ مزی کو قاضی شافعی کے سامنے پیش کیا گیا‘ قاضی موصوف قید کا حکم سنایا‘ جب ابن تیمیہ کو یہ خبر ملی تو قید خانہ میں جا کر مزی کو چھڑا لایا۔ قاضی شافعی یہ سنتے ہی شکایات لے کر قلعہ کی طرف چل پڑا۔ اور دونوں نائب کے سامنے جھگڑ پڑے۔ ابن تیمیہ نے قاضی پر سختی کرتے ہوئے کہا کہ تمہارے نائب جلال الدین نے نائب السلطنت کی غیر حاضری میں میرے اصحاب کو اذیت دی۔ نائب افرم نے بغرض تسکین فتنہ منادی کرا دی کہ جو شخص عقائد میں کلام کرے گا اسے قتل کیا جائے گا“

سلخ رجب ۷۰۵ھ کو تیسری مجلس منعقد ہوئی۔ اور ابن زملکانی اور ابن الوکیل (صدر الدین المرحل) کے درمیان مباحثہ شروع ہوا‘ اور صدر مجلس قاضی القضاۃ نجم الدین بن صفری ابن زملکانی کی ایک بات پر خفا ہو کر کرسی صدارت چھوڑ کر گھر چلا گیا۔ نائب السلطنت نے حکم دیا کہ فرمان سلطان کا انتظار کیا جائے۔ چنانچہ ۵ رمضان ۷۰۵ھ کو قاصد سلطانی نائب کے نام یہ فرمان لایا کہ قاضی شافعی اور شیخ (ابن تیمیہ) کو یہاں بھیج دو اور ۶۹۸ھ کے واقعہ کی کیفیت بھی

ارسال کر دو۔ بنابریں ہر دو رمضان کے عشرا خیر میں قاہرہ میں پہنچے اور ان کے ساتھ ایک جماعت تھی۔

۲۳ رمضان ۷۰۵ھ کو نماز جمعہ کے بعد مجلس منعقد ہوئی۔ اور قاضی زین الدین ابن مخلوف مالکی کی عدالت میں ابن تیمیہ پر اس کے غلط عقائد (خدا عرش پر ہے۔ وہ حروف و صوت کے ساتھ کلام کرتا ہے۔ اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔) پر مشتمل ایک استغاثہ دائر کر دیا گیا۔ ابن تیمیہ نے یہ کہہ کر کہ یہ میرا مخالف ہے' جواب دینے سے انکار کر دیا۔ پس قاضی نے حکم دیا کہ اس کو قید کر دیا جائے۔ چنانچہ جیل میں بھیج دیا گیا۔ پھر قاضی مالکی کو اطلاع پہنچی کہ لوگ اس کے پاس آتے جاتے ہیں۔ اس پر قاضی موصوف نے فرمایا کہ اس کا کفر بے شک ثابت ہے۔ وہ اگر قتل نہیں کیا گیا تو اسے تنگ کرنا واجب ہے۔اس لئے عید الفطر کی رات اسے برج حب میں منتقل کر دیا گیا اور قاضی شافعی اپنے ملک کو چلا آیا اور دمشق میں منادی کرا دی گئی کہ جو شخص (بالخصوص حنابلہ میں سے) ابن تیمیہ کا عقیدہ رکھتا ہو اس کا جان و مال مباح ہیں۔ اب شہاب محمود نے یہ فرمان جامع مسجد میں پڑھ کر سنایا' اس کے بعد بہت سے حنابلہ نے شوافع ہونے کا اعلان کر دیا۔

شیخ جمال الدین ابن القاہری کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ مصر کے تمام قضاۃ الشیوخ و فقراء و علماء و عوام ابن تیمیہ کے مخالف تھے۔ صرف قاضی حنفی آپ کا حامی تھی اور قاضی شافعی ساکت تھا۔ ابن تیمیہ کے بڑے مخالفین میں سے شیخ نصر منجی تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابن تیمیہ کو پتہ لگا کہ نصر مذکور ابن عربی کا حامی ہے' اس لئے اس نے نصر کو ایک عتاب آمیز خط لکھا جو نصر کو پسند نہ آیا۔

کیونکہ اس میں ابن عربی کی مخالفت و تکفیر تھی۔ اس پر نصر ابن تیمیہ کا مخالف بن گیا اور اس نے بیبرس جاشنگیر اور قاضی ابن مخلوف کو اپنے ساتھ ملا لیا اور حنابلہ کو خوب ستایا۔ حنابلہ کا قاضی شرف الدین حرانی کم علم تھا۔ وہ بھی اعتقاداً ان کا ہمنوا بن گیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ دمشق میں قاضی حنفی شمس الدین ابن الحریری ابن تیمیہ کا حامی تھا اور اس نے ایک محضر نامہ میں یہاں تک لکھ دیا کہ تین سو سال کے لوگوں نے ابن تیمیہ کا ثانی نہیں دیکھا۔ ابن مخلوف کو جب یہ خبر لگی تو اس نے ابن الحریری کو معزول کروا دیا۔ اس کی جگہ شمس الدین اوزعی مقرر ہوا' مگر دوسرے سال وہ بھی معزول کیا گیا۔ نائب سالار ابن تیمیہ کا حامی تھا' اس نے شافعی و مالکی و حنفی قضاۃ کو بلا کر اس کی رہائی پر بحث کی۔ انہوں نے بالاتفاق کہا کہ ہم اس بارے میں چند شرائط پیش کرتے ہیں۔ اگر وہ پابند رہے اور اپنے عقیدے سے رجوع کر لے' تو ہمیں اس کی رہائی پر کوئی اعتراض نہیں' اس لئے وہ کئی بار طلب کیا گیا' مگر حاضر نہ ہوا۔

ابن تیمیہ ڈیڑھ سال برج جب میں رہا۔ اتفاقاً و مہنا امیر آل فضل مصر میں وارد ہوا۔ اس کی سفارش پر ۲۳ ربیع الاول ۷۰۷ھ کو اس برج جب سے نکالا گیا اور قلعہ میں حاضر کیا گیا۔ وہاں بھی فقہاء کے ساتھ اس کی بحث ہوئی' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک محضر نامہ میں اس کا یہ قول لکھا گیا کہ میں اشعری ہوں' پھر اس نے اپنے قلم سے یہ توبہ نامہ لکھا:

الذی اعتقد ان القرآن معنی قائم بذات اللّٰہ وھو صفة من صفات' ذاته القدیمة وھو غیر مخلوق ولیس. بحرف ولاصوت وان قوله "الرحمن علی العرش استوی" لیس

علی ظاھرہ ولا اعلم کنہ المرادبہ بل لا یعلمہ الا اللّٰہ والقول فی النزول کالقول فی الاستواء کتبہ احمد بن تیمیہ۔

"میرا عقیدہ ہے کہ قرآن ایک معنی ہے ذات خدا کے ساتھ قائم اور وہ اس کی ذات کی صفات قدیمہ میں سے ایک صفت ہے' اور وہ مخلوق نہیں اور حرف اور آواز نہیں اور اللہ کا قول "الرحمٰن علی العرش استویٰ" ظاہر پر محمول نہیں اور میں اس کی مراد کی کنہ نہیں جانتا' بلکہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ نزول میں کلام استواء کی طرح ہے۔ اسے ابن تیمیہ نے لکھا ہے۔"

پھر اس توبہ نامہ پر شہادت ثبت کی گئی کہ ابن تیمیہ اپنے اختیار سے تائب ہوا اس سے جو اس عقیدے کے خلاف ہے۔ یہ ۱۵ ربیع الاول ۷۰۷ھ میں لکھا گیا۔"

اس توبہ نامہ سے فتنہ تھم گیا' اور اسے رہا کر دیا گیا۔ وہ سکندریہ میں سکونت پذیر ہوا۔ اس کے بعد صوفیہ کا ایک گروہ تاج الدین ابن عطاء کے ہاں جمع ہوا' وہ شوال کے عشراوسط میں قلعہ کی طرف نکلے اور ابن تیمیہ کی شکایت کی' کہ وہ مشائخ طریقت پر طعن کرتا ہے اور کہتا ہے کہ نبی ﷺ سے استغاثہ جائز نہیں۔ پس بمقتضائے حال اسے حکم دیا گیا کہ شام کو چلا جائے۔ چنانچہ وہ رات میں دمشق کو روانہ ہوا۔ قاضی زین الدین کو جو بستر مرگ پر پڑا ہوا تھا' خبر لگی' تو اس نے نائب کے نام چٹھی لکھی' اور اسے مقام بلبیس سے واپس بلوا لیا گیا۔ اور ابن جماعہ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ شرف الدین ابن صابونی اور بقول بعض علاؤ الدین قونوی نے بھی اس کے خلاف شہادت دی اور وہ حارہ دیلم میں ایک قید خانہ میں

بند کر دیا گیا۔ جہاں وہ ۱۸ شوال ۷۰۷ھ سے سلخ صفر ۷۰۹ھ تک قید رہا۔ پھر رپورٹ آئی کہ لوگ اس کے پاس آتے جاتے ہیں اور وہ بدستور سابق ان سے کلام کرتا ہے۔ اس لئے سکندریہ میں منتقل کر دیا گیا اور وہاں برج شرقی میں مقید ہوا۔ لوگ پھر اس کے پاس آتے اور بحث کرتے' یہاں تک کہ شاہ ناصر کرک سے مصر میں آگیا' اس کے پاس سفارش کی گئی' اس نے ۱۸ شوال ۷۰۹ھ کو ایک محفل آراستہ کی' اور قاضی اور ابن تیمیہ میں صلح کرا دی' مگر قاضی مالکی نے کہا: بشرطیکہ وہ پھر ایسا نہ کرے۔ سلطان نے جواب دیا کہ وہ تائب ہو گیا ہے۔ رہا ہو کر وہ قاہرہ میں رہنے لگا۔ لوگ اس کے پاس آتے جاتے یہاں تک کہ سلطان کے ساتھ غزا کی نیت سے شوال ۷۱۳ھ کو شام کی طرف روانہ ہوا اور یکم ذی قعدہ کو پورے سات سال اور سات ہفتہ کے بعد وہ اپنے وطن دمشق میں پہنچا۔ یہاں بھی وہ فتنہ انگیزی سے باز نہ آیا' رمضان ۷۱۹ھ کو مسئلہ حلف بالطلاق کے سبب سے فتویٰ دینے سے منع کیا گیا۔ ماہ رجب ۷۲۰ھ میں ایک مجلس منعقد کی گئی' اور وہ قلعہ میں قید کیا گیا۔ پھر یوم عاشوراء ۷۳۱ھ میں رہا ہو گیا۔ بعد ازاں شعبان ۷۳۶ھ میں مسئلہ زیارت کے سبب سے قلعہ میں محبوس ہوا۔ اور اسی حالت میں ۲۲ (یا ۳۰) ذی‌قعدہ ۷۲۸ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔ (ماخوذ از درر کافیہ للحافظ ابن حجر العسقلانی)

شیخ صفی الدین ہندی اموی (متوفی ۷۱۵ھ) کے ساتھ جس مناظرہ کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی کیفیت علامہ تاج الدین سبکی (طبقات الشافعیہ الکبرے۔ جزء خامس۔ ص۔ ۲۴۰) نے یوں تحریر فرمائی ہے..... "جب مسئلہ حمویہ میں ابن تیمیہ سے وقوع میں آیا جو آیا۔ تو دارالسعادت میں امیر تنکز[۴] کے

سامنے اس کے لئے ایک مجلس منعقد کی گئی' اور علماء جمع کیے گئے۔ انہوں نے شیخ ہندی کے بلانے کا مشورہ دیا۔ پس شیخ موصوف حاضر ہوئے' شیخ ہندی تقریر میں طویل الکلام تھے۔ جب کسی وجہ سے تقریر شروع کرتے۔ تو اثناء تقریر میں کسی شبہ یا اعتراض کو ذکر کیے بغیر نہ چھوڑتے' جب تقریر ختم ہوتی' تو معترض کے لئے آپ کا مقابلہ دشوار ہوتا۔ جب آپ نے تقریر شروع کی۔ تو ابن تیمیہ حسب عادت جلدی کرنے لگا' اور ایک شے سے دوسری شے کی طرف نکلنے لگا۔ شیخ ہندی نے کہا: ابن تیمیہ! میں تجھے صرف ایک چڑیا کی مثل دیکھتا ہوں جسے ایک جگہ سے پکڑنا چاہتا ہوں' تو دوسری جگہ پر پھدک جاتی ہے۔ امیر تنکز شیخ ہندی کی تعظیم کیا کرتا تھا اور اس کا معتقد تھا۔ اور ہندی تمام حاضرین کا شیخ تھا۔ سب نے ابن تیمیہ کی رائے سے رجوع کیا' ابن تیمیہ اس مسئلہ کے سبب سے قید ہوا۔ یہی وہ مسئلہ ہے جس میں مذکور ہے کہ ابن تیمیہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہت کا قائل ہے' ابن تیمیہ اور اس کے اصحاب کے خلاف شہر میں ڈھنڈورا پٹوایا گیا اور وہ اپنی ملازمتوں سے معزول کیے گئے۔"

جو فرمان جامع دمشق میں سنایا گیا وہ کئی اور جگہ بھی پڑھ کر سنایا گیا۔ چنانچہ شیخ محمد زاہد کوثری (تکملة الرد علی نونية ابن القيم۔ ص ۱۱۶ تا ص ۱۱۸) یوں لکھتے ہیں۔ "فرامین سلطانی جو اکابر علماء وقت کے سامنے محاکمہ کے بعد ابن تیمیہ کے حق میں صادر ہوئے' وہ کتب تاریخ اور خاص کتابوں (مثل عیون التواریخ۔ نجم المھتدی اور دفع الشبہ وغیرہ) میں منقول ہیں۔ میں ان میں سے ایک یہاں نقل کرتا ہوں۔ یہ فرمان حافظ شمس الدین بن طوہان کے قلم کا لکھا ہوا ہے' جیسا کہ میں نے اسے دیکھا ہے۔

"نسخہ فرمان شریف سلطانی ملکی مورخہ ۲۸ رمضان ۷۰۵ھ"

سب ستائش اللہ کے لئے ہے جو شبیہ و نظیر سے پاک ہے۔ اور مثل سے برتر ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْئٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔ اس کی حمد کرتے ہیں کہ اس نے ہمارے دل میں کتاب و سنت پر عمل کرنا ڈال دیا' اور ہمارے زمانے میں شک و شبہ کو دور کر دیا۔ اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود برحق نہیں' مثل شہادتِ اس شخص کے جو اخلاص کے ساتھ حسن عاقبت کا امیدوار ہو اور اپنے خالق کو ایک جہت میں محدود ہونے سے پاک سمجھتا ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے' "وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ" اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ جنہوں نے مرضات اللہ کے طریق کے سالک کے لئے نجات کا طریقہ بتا دیا اور خدائی نعمتوں میں تفکر کا حکم دیا اور اس کی ذات میں تفکر سے منع فرمایا۔ اللہ کا درود ہو آپ پر اور آپ کے آل و اصحاب پر جن کے ذریعہ سے ایمان کا مینار بلند ہو گیا اور قواعد شریعت مضبوط ہو گئے۔ اور گل ہو گیا کلمہ اس کا جس نے حق سے انحراف کیا اور بدعتوں کی طرف مائل ہوا۔

امابعد! شرع کے عقائد اور اسلام کے قواعد اور ایمان کے ارکان عملیہ اور دین کے مذاہب مرضیہ بنیاد ہیں جن پر بنا کرنی چاہیے اور مرجع ہیں جس کی طرف ہر ایک کو رجوع کرنا چاہیے اور طریق ہیں کہ جو ان پر چلا' بڑا کامیاب ہوا۔ اور جو ان سے منحرف ہوا وہ عذاب الیم کا مستوجب ہوا' اس واسطے واجب ہے کہ ان کے احکام جاری کئے جائیں اور ان کے دوام کی تاکید کی جائے اور اس ملت کے عقائد اختلاف سے بچائے جائیں اور اتفاق سے مزین کئے جائیں' اور

بدعتوں کے شعلے بجھائے جائیں اور ان کے فرقوں سے جو جمع ہیں' پراگندہ کر دیئے جائیں۔

تقی الدین ابن تیمیہ نے اس مدت سے اپنے قلم کی زبان دراز کی اور اپنے کلمات کی باگ ڈھیلی چھوڑ دی' اور صفات و ذات کے مسائل میں کلام کیا۔ اور اپنے کلام میں غیر مشروع امور کو ظاہر کیا۔ اور کلام کیا اس میں جس سے صحابہ و تابعین خاموش رہے' اور زبان سے نکالا وہ جس سے سلف صالحین نے پرہیز کیا اور اس بارے میں وہ لایا جسے ائمہ اسلام نے بڑا کہا اور جس کے خلاف پر علماء و حکام کا اجماع منعقد ہو گیا۔ اور اس کے فتاویٰ سے مشہور ہوا وہ جسے بندوں کی عقلوں نے سبک سمجھا۔ اس بارے میں اس نے اپنے ہم عصر فقہاء اور علماء شام و مصر کی مخالفت کی' اور اپنے رسالے ہر جگہ بھیجے اور اپنے فتاوے کو ایسے ناموں کے ساتھ نامزد کیا کہ جن پر اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ جب ہمیں اطلاع پہنچی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حق میں حرف و صوت و تجسیم کی صراحت کر دی ہے' تو ہم اس بڑی خبر سے ڈر کر اللہ کے واسطے اٹھے۔ اور ہم نے اس بدعت کا انکار کیا اور ہمیں ناگوار گزرا کہ یہ عمل ان اشخاص کی طرف سے شائع ہو جو ہماری سلطنت میں ہیں۔ اور ہم نے بڑا جانا جو مبطلین نے زبان سے نکالا۔ اور ہم زبان پر لائے اللہ تعالیٰ کا قول "اور وہ برتر ہے اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں۔" کیونکہ اللہ جل جلالہ اپنی ذات و صفات میں عدیل و نظیر سے پاک ہے۔ ابصار اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ ابصار کا ادراک کرتا ہے اور وہ لطیف و خبیر ہے۔ اور ہمارے فرامین تقی الدین ابن تیمیہ کو اپنے دروازے پر بلانے کے لئے صادر ہوئے' جبکہ اس کے فتاوے شام و مصر میں شائع ہوئے۔ ان میں اس

نے ایسے الفاظ کے ساتھ تصریح کی کہ جس عقلمند نے ان کو سنا' یہ آیت پڑھ دی۔ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا

جب وہ حاضر ہوا۔ ہم نے اہل حل و عقد اور اصحاب تحقیق و نقل کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ قضاۃ و حکام و علماء و فقہاء حاضر ہو گئے' اور انہوں نے اس کے لئے آئمہ کے گروہ و جماعت میں ایک مجلس شرع منعقد کی۔ اس وقت وہ سب جو اس کی طرف منسوب تھا' ثابت ہو گیا' خود اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے سے جس سے اس کا بڑا عقیدہ ظاہر تھا۔ وہ مجلس برخاست ہوئی' اس حال میں کہ وہ اس پر اور اس کے برے عقیدے پر انکار کرنے والے تھے۔ اور اس کا مواخذہ کر رہے تھے' اس امر پر جس پر اس کا قلم شاہد تھا۔ اور وہ کہہ رہے تھے۔ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ

ہم نے سنا کہ پہلے اس سے کئی بار توبہ کرائی گئی۔ شرع نے اسے مہلت دی جب اس نے یہ اقدام اٹھایا مگر وہ منع کے بعد باز نہ آیا اور وہ نواہی اس کے کان میں نہ پہنچے۔ جب قاضی مالکی کی مجلس میں اس کا جرم ثابت ہو گیا۔ تو شرع شریف کا حکم ہے کہ ایسے شخص کو قید کیا جائے اور تصرف و ظہور سے منع کیا جائے۔ لہذا ہم آج سے حکم دیتے ہیں کہ کوئی شخص اس کے مسلک پر نہ چلے اور منع کرتے ہیں اس سے کہ کوئی ایسے اعتقاد میں اس کا مشابہ ہو' یا اس قول میں اس کا متبع' یا ان الفاظ کے قبول کرنے والا بنے' یا تجسیم میں اس کے طریق پر چلے' یا خاص جہت علو میں محدود کرے جیسا کہ اس نے کہہ دیا' یا کوئی انسان صوت یا حرف میں کلام کرے' یا ذات یا وصف میں کلام کو فراخ کرے' یا تجسیم کے ساتھ گویا ہو' یا صراط مستقیم سے انحراف کرے' یا ائمہ کی رائے سے نکل

جائے اور علماء امت سے منفرد ہو جائے یا اللہ تعالیٰ کو ایک جہت میں محدود بتائے' یا حیث و کیف کے ساتھ پیش آئے۔ جو اس مجموع کا عقیدہ رکھتا ہو اس کے لئے ہمارے پاس سوائے تلوار کے نہیں ہے۔

پس ہر شخص اس حد پر قائم رہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہے امر پہلے اور پیچھے۔ تمام حنابلہ کو چاہیے کہ اس عقیدے سے جسے ائمہ نے بڑا کہا ہے' رجوع کریں اور ان تشبیہات شریدہ کو چھوڑ دیں۔ اور امر الٰہی کو لازم پکڑیں اور اہل مذاہب حمیدہ سے تمسک کریں' کیونکہ جس نے امر الٰہی کو چھوڑ دیا وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا اور اس کا ٹھکانہ سوائے لمبی قید کے نہیں' اس لئے ہم نے لکھ دیا ہے کہ دمشق و بلاد شام اور ان جہات میں سخت ممانعت اور تخویف و تہدید کے ساتھ منادی کر دی جائے' کہ اس امر میں جس کی ہم نے وضاحت کر دی ہے' کوئی تقی الدین ابن تیمیہ کی پیروی نہ کرے۔ اور جو اس کی پیروی کرے گا ہم اسے ابن تیمیہ کی طرح جیل میں ڈال دیں گے۔ اور امت کی نظروں سے گرا دیں گے جیسا کہ ہم نے اسے گرا دیا ہے۔ جو لوگ باز رہنے سے روگردانی کریں اور ٹال مٹول سے کام لیں' ہم نے حکم دے دیا ہے کہ وہ مدارس و مناصب سے معزول کر دیئے جائیں اور اپنے مراتب سے گرا دیئے جائیں' اور ان کے لئے ہمارے شہروں میں نہ حکم لیتے رہے' نہ قضاء' نہ امامت' نہ شہادت۔ نہ ولایت اور نہ اقامت۔ کیونکہ ہم نے اس بدعتی کی دعوت اپنے شہروں سے زائل کر دی ہے۔ اور اس کے عقیدہ کو جس سے لوگ گمراہ ہوئے یا ہونے کو تھے' باطل کر دیا ہے' حنابلہ سے اس عقیدہ سے رجوع کے متعلق محاضر شرعیہ لکھائے جائیں جو قاضیوں کی مہر و دستخط سے مزین ہو کر ہمارے پاس آنے

چاہیئیں۔ ہم معذور ہیں۔

ہم نے نصیحت کر دی اور ہم نے انصاف کیا ہے کہ لوگوں کو ڈرا دیا ہے۔ چاہیے کہ ہمارا یہ فرمان منبروں پر پڑھا جائے' تاکہ یہ کمال درجہ کا واعظ و زاجر اور نہایت عمدہ آمروناہی ہو اور اعتماد اس خط شریف پر ہے جس کے اوپر الحمد للہ ہے۔ صلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وسلم۔" (ترجمہ اردو)۔ ختم ہوا

وہ جو میں نے ابن طولون کے خط میں اس مجموعہ حسیبیہ میں دیکھا جس میں الدرة المضیه والمقالة المرضیه فی الرد علی من ینکر الزیارة المحمدیة للتقی الاخنائی اور الاعتبار فی بقاء الجنة والنار' اور دفع شبه من شبه وتمرد وغیرہ ہیں۔ وہ فرمان جو سنہ ۷ رمضان کو سب کے سامنے جامع قاہرہ کے منبر پر نماز جمعہ کے بعد اور جامع فسطاط کے منبر پر نماز عصر کے بعد پڑھا گیا' نجم المهتدی لابن المعلم القرشی میں منقول ہے۔ اور جو فرمان قاضی ابن مصری مصر سے لایا' وہ جامع دمشق کے منبر پر ۱۶ ذیقعد ۷۰۵ھ کو پڑھا گیا وہ دفع الشبه للتقی الحصنی میں منقول ہے۔ اور جو فرامین بلاد شام میں پڑھے گئے ان سب کے الفاظ بلحاظ معنی متقارب ہیں۔ انتہی۔

مسائل ابن تیمیہ:

مسئلہ جہت کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن میں ابن تیمیہ نے غلطی کھائی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن طولون (متوفی) اپنی کتاب "ذخائر القصر فی تراجم نبلاء العصر" میں یوں فرماتے ہیں۔ "حافظ صلاح الدین علائی نے کہا: ذکر ان مسائل کا جن میں ابن تیمیہ اصول و فروع میں لوگوں کا مخالف ہے۔ ازاں جملہ وہ مسائل ہیں جن میں اس نے اجماع کا خلاف کیا ہے اور ان میں سے وہ جن میں اس نے مذاہب میں راجح کا خلاف کیا۔ ان میں سے یہ ہیں:

۱۔ حلف بالا طلاق میں محلوف علیہ کے وقوع پر طلاق واقع نہیں ہوتی۔ صرف کفارہ یمین دینا پڑتا ہے۔ حالانکہ ابن تیمیہ سے پہلے فقہاء میں سے کبھی کوئی کفارہ کا قائل نہیں ہوا مدت تک وہ یہی فتویٰ دیتا رہا اور عوام کا ایک بڑا گروہ اس کی تقلید میں پھنس گیا اور فتنہ عام ہو گیا۔

۲۔ حائض پر طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اسی طرح جس طہر میں مجامعت کی جائے اس میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔

۳۔ تین طلاقیں معاً واقع نہیں ہوتیں' وہ ایک شمار ہوں گی۔ اس سے پہلے اس نے اس کے خلاف پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا تھا' اور کہہ دیا تھا کہ جو اس کے خلاف کرے وہ کافر ہے۔ پھر اس نے اس کے خلاف فتویٰ دیا اور بہت سے لوگوں کو ابتلاء میں ڈالا۔

۴۔ نماز اگر عمداً ترک کی جائے تو اس کی قضاء مشروع نہیں۔

۵۔ حائض بیت اللہ شریف کا طواف کرے تو جائز ہے' اس پر کوئی کفارہ نہیں۔

۶۔ چونگی حلال ہے' اس کے لئے جو بطور عطیہ لے' اور تاجروں سے جو چونگی لی جائے' وہ ان کی زکوٰۃ کے قائم مقام ہو گی خواہ وہ زکوٰۃ کے اسم و رسم پر نہ لی جائے۔

۷۔ پانی میں چوہا وغیرہ مر جائے تو ناپاک نہیں ہوتا۔

۸۔ جنب (جسے غسل کی حاجت ہو) اپنے نفل رات کو تیمم سے پڑھ لے' خواہ شہر میں ہو' اور تاخیر نہ کرے کہ فجر کے وقت غسل کر کے پڑھوں گا۔

۹۔ وقف کرنے والے کی شرط کا بالکل اعتبار نہیں۔ بلکہ شافعیہ پر وقف حنفیہ کا صرف ہو سکتا ہے۔ اور فقہاء کا وقف صوفیہ پر صرف ہو سکتا ہے۔ اور بالعکس بھی درست ہے۔ وہ اپنے مدرسہ میں اسی طرح کیا کرتا تھا اور لشکر و عوام کو دے دیا کرتا تھا۔

۱۰۔ امہات الاولاد کی بیع کی نسبت دریافت کیا گیا' تو کہا گیا کہ جائز ہے اور یہی قول راجح ہے اور اسی پر فتویٰ دیا۔

اصول میں جن مسائل میں وہ منفرد ہے ان میں سے ایک مسئلہ حسن و قبح ہے جس کے قائل معتزلہ ہیں' ابن تیمیہ بھی اس کا قائل اور موید ہے۔

اصول دین میں ابن تیمیہ کے مقالات

۱۔ اللہ تعالیٰ محل حوادث ہے۔ حالانکہ وہ برتر ہے اس سے جو یہ کہہ رہا ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ مرکب ہے اور محتاج ہے (ہاتھ آنکھ ساق وغیرہ کا) جیسا کہ کل جزء کا محتاج ہوتا ہے۔
۳۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی ذات میں محدث ہے۔
۴۔ عالم قدیم بالنوع ہے۔ اللہ کے ساتھ ہمیشہ مخلوق رہا ہے۔ پس اس نے خدا کو موجب بالذات قرار دیا' نہ کہ فاعل بالاختیار۔
۵۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے جسمیت و جہت و انتقال کا قائل ہے۔ اس نے اپنی بعض تصانیف میں صاف لکھ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بقدر عرش کے ہے' نہ اس سے بڑا اور نہ چھوٹا۔
۶۔ ایک رسالہ میں اس نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی' مثلاً نعیم اہل بہشت کے متعلق نہیں اور وہ غیر متناہی کا احاطہ نہیں کر سکتا۔
۷۔ انبیاء علیہم السلام معصوم نہیں۔
۸۔ رسول اللہ ﷺ کے لئے کوئی جاہ و منزلت نہیں' اور نہ ان سے توسل جائز ہے۔
۹۔ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لئے سفر کرنا معصیت ہے۔ اس سفر میں نماز قصر نہ کرنی چاہیے' اس پر اس نے بڑا زور دیا ہے' حالانکہ مسلمانوں میں سے کوئی اس کا قائل نہیں۔
۱۰۔ اہل دوزخ کا عذاب منقطع ہو جائے گا دائم نہ ہو گا۔ (آگ فنا ہو جائے گی۔)

ابن رجب نے ابن تیمیہ کے مفردات میں سے مفصلہ ذیل بیان کئے ہیں؟

۱۔ گلاب وغیرہ کے عرق سے وضوء جائز ہے۔

۲۔ مسح علی الخفین کے لئے بصورت حاجت کوئی توقیت (وقت کی تعیین) نہیں۔

۳۔ غیر معذور کے لئے وقت کے فوت ہو جانے کے ڈر سے اور جمعہ وعیدین کے فوت ہو جانے کے ڈر سے تیمم جائز ہے۔

۴۔ اقل حیض کے لئے کوئی حد نہیں اور نہ اکثر حیض کے لئے اور نہ سن ایاس کے لئے کوئی حد ہے۔

۵۔ سفر (خواہ لمبا ہو یا چھوٹا) میں قصر نماز جائز ہے۔

۶۔ بکر (خواہ کبیرہ ہو) کے لئے استبراء کی ضرورت نہیں۔

۷۔ سجدہ تلاوت کے لئے وضوء کی شرط نہیں۔

۸۔ مسابقت بلا محلل جائز ہے۔

۹۔ مختلعہ کا استبراء ایک حیض سے ہے۔ (از تکملہ الردعلی نونیة ابن القیم للکوثری)

علامہ تقی الدین سبکی الدرۃ المضیہ میں لکھتے ہیں۔ "جب ابن تیمیہ نے اصول عقائد میں نئی نئی باتیں پیدا کیں جو کیں' اور اسلام کے ستونوں میں سے ارکان و معاقد توڑ ڈالے اور اس سے پیشتر وہ کتاب و سنت کے اتباع کی آڑ میں چھپا ہوا تھا اور ظاہر کرتا تھا کہ میں حق کی طرف داعی اور جنت کی طرف ہادی ہوں۔ تو وہ اتباع سے ابتداع (نئی چیز لانا) کی طرف نکل گیا' اور اجماع کی مخالفت کرکے مسلمانوں کی جماعت سے نکل گیا۔ اور ایسے امر کا قائل ہو گیا جو ذات

مقدسہ میں جسمیت و ترکیب کا مقتضی ہے' اور اس نے کہہ دیا کہ جزء کا محتاج ہونا محال نہیں' حوادث اللہ تعالیٰ کی ذات میں حلول کرتے ہیں۔ قرآن محدث ہے جس کے ساتھ اللہ نے تکلم کیا' بعد اس کے کہ تکلم نہ کیا تھا۔ وہ کلام کرتا ہے اور چپ ہو جاتا ہے۔ ارادے اس کی ذات میں بحسب مخلوقات حادث ہوتے ہیں۔ اور اس میں وہ قدم عالم کے استلزام (اور التزام) کی طرف یہ کہہ کر چلا گیا کہ مخلوقات کا اول نہیں۔ پس وہ قائل ہو گیا کہ حوادث کا اول نہیں۔ اسی طرح اس نے صفت قدیمہ کو حادث اور مخلوق حادث کو قدیم ثابت کیا۔ ادیان میں سے کسی دین میں اور مذاہب میں سے کسی مذہب میں کسی نے ان دو قولوں کو جمع نہیں کیا۔ پس وہ امت کے تہتر فرقوں میں سے کسی میں داخل نہ رہا' اور یہ سب کچھ اگرچہ برا کفر ہے' کم ہے بہ نسبت ان نئی باتوں کے جو اس نے فروع میں نکالیں۔ کیونکہ اس سے اصول کے سیکھنے والے اور سمجھنے والے کمتر ہیں اور اس کے اصحاب میں اس کی دعوت دینے والے ارذل ہیں۔ اور جب اس بارے میں ان سے مخاصمہ کیا جاتا ہے تو اس سے انکار کر جاتے ہیں اور یوں اس سے بھاگتے ہیں جیسا کہ مکروہ سے بھاگتے ہیں۔"

زبان درازی:

حافظ ابن حجر عسقلانی یوں تحریر فرماتے ہیں:

علامہ طوفی (سلیمان بن عبدالقوی الحنبلی الطوفی المتوفی ۷۱۶ھ) نے اپنی کتاب کثیر النفع ابطال الحیل میں لکھا ہے کہ ابن تیمیہ منبر پر مفسرین کے طریق پر فقہ و حدیث کے ساتھ کلام کرتا تھا اور ایک ساعت میں کتاب و سنت و لغت و علوم نظریہ میں سے اس قدر پیش کر دیتا تھا کہ کوئی دوسرا کئی مجلسوں میں پیش نہ

کر سکتا تھا۔ گویا یہ علوم اس کے پیش نظر تھے۔ ان میں سے جو چاہتا چھوڑ دیتا۔ اس واسطے اس کے اصحاب اس کے بارے میں غلو کی طرف منسوب تھے۔ اس سبب سے وہ خود بین و مغرور بن گیا' یہاں تک کہ وہ اپنے ابناء جنس کو خوار و سبک جاننے لگا اور اپنے تئیں مجتہد سمجھنے لگا۔ وہ چھوٹے بڑے اور قدیم و جدید عالموں کی تردید کیا کرتا تھا' یہاں تک کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچ گیا اور کسی بات میں ان کی خطا پکڑی۔ شیخ ابراہیم رقی کو یہ خبر پہنچی تو ناپسند فرمایا' ابن تیمیہ نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر خواہی کی اور معافی مانگی۔

اس طرح حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے حق میں کہا کہ انہوں نے سترہ مسئلوں میں خطا کی ہے اور نص کتاب کا خلاف کیا ہے۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ جس عورت کا خاوند مرجائے اس کی عدت الحول الاجلین ہے۔ مذہب حنابلہ کی حمایت کے سبب سے وہ اشاعرہ کی ہجو کرتا تھا' یہاں تک کہ اس نے امام غزالی کو گالی دی۔ اس لئے ایک جماعت اس کے خلاف اٹھی اور قریب تھا کہ اسے قتل کر دیتے۔ جب غازان تاتاریوں کا لشکر لے کر ۶۹۹ھ میں شام کی طرف آیا۔ تو وہ اس کی طرف نکلا اور اس کے ساتھ زبردست کلام کیا۔ غازان نے اس کے قتل کا ارادہ کیا مگر بچ گیا۔ اس دن سے اس کی شہرت ہو گئی۔ شیخ نصر منجی سلطنت میں بڑا رسوخ رکھتا تھا' کیونکہ بیرس جاشنگیر (متوفی ۷۰۹ھ) اس کا معتقد تھا۔ اسے خبر لگی کہ ابن تیمیہ ابن عربی (متوفی ۶۳۸ھ) کی ہجو کرتا ہے۔ نصر کا اعتقاد تھا کہ ابن عربی حق پر ہے۔ اتحاد یا الحاد جو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے' اس کا باعث منکرین کی سمجھ کا قصور ہے۔ پس ابن تیمیہ نے ابن عربی کی تردید میں ایک لمبا خط لکھ کر نصر کے پاس بھیجا اور ابن عربی اور اس کے اصحاب کو اس اتحاد کی طرف

منسوب کیا جو حقیقت میں الحاد ہے' نصر پر یہ ناگوار گزرا۔ ابن تیمیہ کے خلاف دوسروں نے بھی نصر کی مدد کی۔ عقائد میں ناشائستہ کلمات جو مواعظ و فتاوے میں ابن تیمیہ کی زبان و قلم سے کھلے تھے' وہ ان کو یاد تھے۔ چنانچہ انہوں نے بیان کیا کہ اس نے حدیث نزول کا ذکر کیا۔ تو منبر سے دو درجے اتر کر کہا' جیسا کہ میں اب اترا ہوں۔ اس لئے اس کی طرف تجسیم کی نسبت کی گئی' اور انہوں نے یہ بھی ذکر کیا کہ ابن تیمیہ نے اس شخص کی تردید کی جس نے نبی ﷺ سے توسل یا استغاثہ کیا۔ اس پر وہ ۷۰۵ھ میں دمشق سے نکالا گیا اور اسے پیش آیا جو آیا۔ وہ کئی بار قید ہوا اور قریباً چار سال یا زیادہ اسی حالت میں رہا۔ بایں ہمہ وہ اپنے کام میں لگا رہا اور فتویٰ دیتا رہا' یہاں تک کہ ایسا اتفاق ہوا کہ شیخ نصر شیخ کریم الدین آملی متولی خانقاہ سعید السعداء کے خلاف ہو گیا اور اسے خانقاہ سے نکال دیا۔ اسی طرح شمس الدین جزری کے خلاف ہو گیا اور اسے شریفیہ کی تدریس سے خارج کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ آملی مصر میں چالیس روز خلوت میں رہا اور نہ نکلا یہاں تک کہ بیبرمس کا اقتدار جاتا رہا اور نصر کا ذکر گم ہو گیا اور ابن تیمیہ کو شام کی طرف روانہ کیا گیا۔ اور لوگوں اس کے بارے میں کئی گروہ بن گئے۔ بعض عقیدہ حمویہ و واسطیہ کے سبب سے اسے تجسیم سے منسوب کرتے ہیں۔ ازاں جملہ اس کا قول ہے کہ ہاتھ قدم ساق اور چہرہ اللہ کی صفات [۵] حقیقیہ ہیں اور وہ بذات خود عرش پر مستوی ہے۔ اس سے کہا گیا کہ تمہارے اس قول سے تحیز و انقسام لازم آتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں تسلیم نہیں کرتا کہ تحیز انقسام اجسام کے خواص سے ہیں۔ پس اس پر فرد جرم لگی کہ وہ ذات خدا میں تحیز کا قائل ہے۔

بعضوں نے اسے زندقہ سے منسوب کیا ہے' کیونکہ وہ کہتا ہے کہ نبی ﷺ سے استغاثہ جائز نہیں۔ اس میں آنحضرت ﷺ کی تنقیص شان اور آپ کی تعظیم سے ممانعت ہے۔ اس مسئلہ میں ابن تیمیہ پر سب سے زیادہ سخت گیر شیخ نور بکری تھے' کیونکہ جب اس کے لئے مجلس منعقد کی گئی۔ تو حاضرین میں سے بعض نے کہا کہ اسے تعزیر کی جائے۔ نور بکری بولے کہ یہ بے معنی ہے۔ اگر تنقیص شان نبوت ہے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ اگر تنقیص نہیں تو تعزیر نہ کی جائے۔

بعضے اسے نفاق کے منسوب کرتے ہیں کیونکہ اس نے حضرت علی کے بارے میں کہا جو پہلے آچکا ہے۔ اور ابن تیمیہ نے یہ بھی کہا' کہ وہ خوار ہے جہاں جاتا ہے۔ اس نے کئی بار خلافت کا قصد کیا مگر نہ ملی۔ اس نے صرف ریاست کے لئے قتال کیا' نہ کہ دین کے لئے' وہ ریاست کا طالب تھا۔ عثمان مال چاہتا تھا۔ ابوبکر بڑھاپے میں ایمان لائے' وہ سمجھتے تھے وہ جو کہتے تھے۔ حضرت علی بچپن میں ایمان لائے اور بچہ کا اسلام بنا بر ایک قول کے درست نہیں۔ ابوجہل کی لڑکی کی خواستگاری کے قصہ میں اور ابو العاص بن الربیع کے قصہ میں بھی حضرت علی کو برا کہا۔ اس لئے اس پر نفاق کا الزام لگایا گیا کیونکہ حضرت علی کے حق میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "تجھ سے بغض نہ رکھے گا مگر منافق۔"

ایک گروہ نے ابن تیمیہ کی نسبت کہا کہ وہ امامت کبریٰ کے لئے کوشش کرتا تھا' کیونکہ وہ ابن تومرت [٦] کا ذکر بڑے شوق سے کرتا تھا اور اس کی بڑی تعریف کیا کرتا تھا۔ اور اس کی قید کی طوالت بھی اسی کی موئد ہے۔ اور اس کے لئے مشہور واقعات ہیں۔ جس وقت وہ تنگ کیا جاتا اور الزام دیا جاتا تو کہہ دیا کرتا

تھا' کہ میری یہ مراد نہیں۔ میری مراد تو صرف یہ تھی۔ پھر ایک احتمال بعید ذکر کر دیتا۔ (درر کامنہ للعسقلانی)

عقیدۂ تجسیم:

ابن تیمیہ کے عقائد کی فہرست جو ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔ ان کا ثبوت اس کی تصانیف سے ملتا ہے۔ جو بقول بعض تین سو اور بنا بر قول بعض پانچ سو اور بعض کے نزدیک ایک ہزار ہیں۔ نظر براختصار ہم یہاں صرف عقیدہ تجسیم کو لیتے ہیں۔ یہ عقیدہ اس کے رسالہ الفتیا الحمویہ سے بھی ثابت ہے۔ جس کی تردید آگے آئے گی۔ یہاں بغرض وضاحت چند اور حوالہ جات نقل کیے جاتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی نے ایک کتاب "اساس التقدیس" نام لکھی ہے۔ ابن تیمیہ نے اس کے رد میں "التاسیس فی رد اساس التقدیس" تحریر کی ہے۔ جو غیر مطبوع اور ظاہریہ دمشق میں "الکواکب الدراری' لابن زکنون الحنبلی کی مجلد رقم ۲۵ کے ضمن میں محفوظ ہے۔ علامہ کوثری نے "تکملۃ الرد" میں اس میں سے عبارات ذیل نقل کی ہیں:

۱۔ فمن المعلوم ان الکتاب والسنة والاجماع لم ینطق بان اجسام کلها محدثه وان الله لیس بجسم ولا قال ذلک امام من ائمة المسلمین فلیس فی ترکی لهذا القول خروج عن الفطرة ولاعن الشریعة۔ تکملة الرد ص ۴۰

"یہ معلوم ہے کہ کتاب و سنت و اجماع نے یہ نہیں بتایا کہ اجسام تمام حادث ہیں اور خدا جسم نہیں ہے۔ اور نہ آئمہ مسلمین میں سے کسی امام نے ایسا کہا ہے۔ پس میں نے جو اس قول کو ترک کر دیا ہے۔ اس میں

فطرت سے باہر ہوتا نہیں ہے اور نہ شریعت سے خارج ہوتا ہے۔

۲۔ قلتم لیس هو بجسم ولا جوهر ولا متحیز ولافی جهة ولا یشار الیه بحس ولا یتمیز منه شیء من شیئ و عبرتم عن ذلک بانه تعالٰی لیس بمنقسم ولا مرکب وانه لاحد له ولا غایة تریدون بذلک انه یمتنع علیه ان یکون له حد وقدر اویکون له قدر لا یتناهی..... فکیف ساغ لکم هذا النفی بلا کتاب ولا سنة۔ تکملة الرد ص ۴۰

"تم نے کہا کہ خدا جسم نہیں اور نہ جوہر ہے۔ نہ متحیز ہے اور نہ کسی جہت میں ہے اور جس کے ساتھ اسکی طرف اشارہ نہیں کیا جا سکتا اور اس سے ایک شے دوسری شے سے متمیز نہیں ہو سکتی' تم نے اس کو یوں تعبیر کیا کہ اللہ تعالٰی منقسم نہیں اور نہ مرکب ہے۔ اس کی کوئی حد نہیں اور نہ غایت ہے' اس سے تمہاری مراد یہ ہے کہ اس پر ممتنع ہے کہ اس کے لئے حد و قدر ہو' یا اس کے لئے قدر غیر متناہی ہو پس تمہارے واسطے یہ نفی بغیر کتاب اور بغیر سنت کے کس طرح جائز ہے؟

۳۔ ان العرش فی اللغة السریر و ذلک بالنسبة الی مافوقه کا لسقف بالنسبة الی ماتحته فاذاکان القرأن جعل للّٰه عرشًا ولیس هو بالنسبة الیه کالسقف علم انه بالنسبة الیه کالسریر بالنسبة الی غیره وذلک یقتضی انه فوق العرش۔

تکملة الرد ص ۷۹

"عرش لغت میں عرش کو کہتے ہیں۔ اور وہ بہ نسبت اپنے مافوق کے ایسا

ہے جیسا کہ چھت بہ نسبت اپنے ماتحت کے ہے۔ جب قرآن نے اللہ تعالیٰ کے لئے ایک عرش ثابت کیا ہے اور وہ بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے ایسا ہے جیسا کہ تخت بہ نسبت غیر خدا کے ہے اور یہ مقتضیٰ ہے اس امر کو کہ اللہ عرش کے اوپر ہے۔

۴۔ لوشاء لا ستقر علٰی ظهر بعوضة فاستقلت به بقدرته فكيف على عرش عظيم۔ تكملة الرد ص ۱۱۵

"اگر خدا چاہے۔ تو وہ ایک مچھر کی پیٹھ پر بیٹھ جائے اور وہ مچھر اس کو اس کی قدرت سے اٹھالے۔ پس عرش عظیم پر کس طرح؟ یعنی یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ مچھر تو خدا کو اٹھا سکے اور عرش عظیم نہ اٹھا سکے؟؟"

۵۔ والبارى سبحانه و تعالٰى فوق العالم فوقية حقيقية ليست فوقية الرتبة كما ان التقدم على الشئ قد يقال انه بمجرد الرتبة كما يكون بالمكان مثل تقدم العالم على الجاهل وتقدم الامام على الماموم فتقدم اللّٰه على العالم ليس بمجرد ذلک بل هو قبلية حقيقية وكذلک العلو على العالم قد يقال انه يكون بمجر دالرتبة كي يقال العالم فوق الجاهل وعلو اللّٰه على العالم ليس بمجرد ذلک بل هو عال عليه علوا حقيقيا وهو العلو المعروف والتقدم المعروف۔

تكملة الرد۔ ص: ۸۷۔ ۸۸

"اور باری سبحانہ و تعالیٰ عالم کے اوپر ہے فوقیت حقیقیہ کے معنی میں' جو فوقیت رتبہ نہیں' جیسا کہ کسی شے پر تقدم کبھی بمجرد رتبہ ہوتا ہے

جیسا کہ بالمکان ہوتا ہے۔ چنانچہ عالم کا تقدم جاہل پر اور امام کا تقدم ماموم پر ہے۔ پس اللہ کا تقدم عالم پر بمجرد رتبہ کے نہیں' بلکہ وہ تبلیت حقیقیہ ہے۔ اسی طرح عالم پر علو بھی بمجرد رتبہ کے ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔ العالم فوق الجاھل۔ اور اللہ کا علو عالم پر بمجرد رتبہ کے نہیں' بلکہ وہ عالم پر عالی ہے بلحاظ علو حقیقی کے۔ اور وہ علو معروف و تقدم معروف ہے۔

ابن تیمیہ کی تصانیف میں سے ایک کتاب العرش ہے۔ اس کے شاگرد ابن القیم نے نونیہ میں اس کتاب کی طرف یوں اشارہ کیا ہے۔

هذا ومن عشرين وجهاً يبطل التفسير باستوى الذى العرفان

قدر افردت بمصنف لامام هذا الشان بحر العالم الحرانى

علامہ تقی الدین سبکی "السیف العیقل فی الرد علی ابن زفیل" میں اس شعر کے تحت میں لکھتے ہیں کہ یہاں مصنف سے مراد ابن تیمیہ کی کتاب العرش ہے اور وہ اس کی نہایت ہی بری کتابوں میں سے ہے۔ جب شیخ ابو حیان کو جو پہلے ابن تیمیہ کی تعظیم کیا کرتا تھا۔ اس کتاب کا پتہ لگا' تو وہ اسے تادم مرگ لعنت کرتے رہے۔

علامہ کوثری نے لکھا ہے کہ حافظ ابو حیان اندلسی نے اللہ تعالیٰ کے قول وسع کرسیه السمٰوات والارض کی تفسیر میں کہا: میں نے اپنے ہم عصر ابن تیمیہ کی ایک کتاب میں پڑھا ہے جو خود اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے اور جس کا نام "کتاب العرش" ہے۔ "تحقیق اللہ کرسی پر بیٹھتا ہے۔ اور اس نے کچھ جگہ خالی رکھی ہوئی ہے۔ جس میں وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے ساتھ بٹھائے گا۔"

محمد بن علی بن عبدالحق نے اس سے ایک حیلہ کیا' اور وہ حیلہ یہ تھا کہ اس نے ابن تیمیہ سے ظاہر کیا کہ میں تمہارے عقیدے کی دعوت دینے والا ہوں۔ یہاں تک کہ اس نے ابن تیمیہ سے وہ کتاب لے لی اور ہم نے وہ جملہ اس میں پڑھا۔ ابو حیان کی تفسیر کے قلمی نسخہ میں وہ جملہ (تحقیق اللہ کرسی پر الخ) موجود ہے' مگر بحر کے مطبوع نسخہ میں موجود نہیں۔ مطبع سعادت کے مصحح نے مجھے خبر دی کہ میں نے اس جملہ کو نہایت بڑا خیال کیا اور مجھے گوارا نہ ہوا کہ ایسا جملہ کسی مسلمان کی طرف منسوب کیا جائے۔ اس لئے طبع کے وقت میں نے اسے حذف کر دیا' تاکہ دین کے دشمن اس سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ اور اس نے مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ میں اسے یہاں اس کے عمل پر بطور استدراک اور مسلمانوں کی نصیحت کے لئے درج کردوں۔ (تکملۃ الرد۔ ص ۸۵)

ملا کاتب چلپی استنبولی (متوفی ۱۰۶۷ھ) نے اپنی مشہور کتاب کشف الظنون میں کتاب العرش و صفتہ کے تحت میں لکھا ہے کہ اس نام کی ایک کتاب احمد بن تیمیہ نے لکھی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کرسی پر بیٹھا ہے۔ اس نے کچھ جگہ خالی چھوڑ رکھی ہے جس میں وہ رسول اللہ ﷺ کو بیٹھائے گا۔ جب کہ ابو حیان نے النھر الماء من البحر میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے قول کے وسع کرسیہ السمٰوٰت کے تحت میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ میں نے یہ احمد بن تیمیہ کی کتاب العرش میں پڑھا ہے جو خود اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ انتھی

حافظ ابن حجر عسقلانی درر کامنہ (سفر رابع ۔ ص: ۳۰۸) میں ابو حیان کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔ "آپ فلسفہ سے ناآشنا تھے۔ اعتزال و تجسیم سے بری تھے

اور طریق سلف پر کاربند تھے' ابن تیمیہ کی تعظیم کرتے تھے۔ آپ نے ایک قصیدہ اس کی مدح میں لکھا ہے۔ پھر آپ اس سے منحرف ہو گئے۔ اور اپنی تفسیر صغیر میں اسے ہر برائی کے ساتھ یاد کیا ہے اور تجسم سے منسوب کیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ انحراف کا سبب یہ تھا کہ اس نے آپ کے ساتھ عربیت میں بحث کی اور بحث میں سیبویہ کو برا کہا' یہ ابوحیان کو ناگوار گزرا اور اس سے منحرف ہو گئے۔ اور کہا گیا کہ یہ سبب نہیں' بلکہ آپ کو اس کی کتاب العرش کا پتہ لگ گیا۔ لہٰذا آپ نے دل میں قرار دیا کہ وہ مجسم ہے۔

علامہ تقی الدین سبکی کی عبارت میں صراحت ہے کہ ہجر دائی کا سبب اس کی کتاب العرش تھا۔ ابن حیان نے اپنی تفسیر میں کتاب العرش کی عبارت کا ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں سیبویہ کے حق میں قلت ادب کو شان الٰہی میں گستاخی سے کیا نسبت پس بہرحال ہجر دائی کا سبب اس کا عقیدہ تجسیم تھا اور یہی صحیح ہے۔

علامہ کوثری نونیہ کے شعر مذکور میں عالم حرانی پر حاشیہ میں یوں لکھتے ہیں:

یہاں ایک بات پر تنبیہہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے دفع الشبہ لابن الجوزی کے حاشیہ ص ۴۷ میں یوں لکھ دیا تھا۔ (بلکہ خود اس یعنی ابن تیمیہ کی نسبت) روایت ہے کہ وہ دمشق میں منبر پر خطبہ دے رہا تھا کہ منبر سے ایک درجہ اتر کر کہا کہ اللہ تعالیٰ یوں اترتا ہے جیسا کہ میں اترا ہوں۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں اپنے مشاہدات سے ایسا لکھا ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے "درر کامنہ" میں یوں لکھا ہے: انہوں نے بیان کیا کہ ابن تیمیہ نے حدیث نزول کا ذکر کیا۔ تو منبر سے دو درجے اتر کر کہا' جیسا کہ میں اب اترا ہوں۔ اس لئے اس کی طرف تجسیم کی نسبت کی گئی۔ یہاں ختم ہوا جو میں نے مقام مذکور پر بطور تعلیق

لکھا تھا۔ لیکن اس سے زائد عبارت (اور بعض علماء دمشق کا قول ہے کہ اس نے اس خطبہ کی ایک قدیم قلمی نسخہ میں کنزولی (جیسا کہ میرا اترنا) سے پہلے لفظ لا دیکھا ہے' واللہ اعلم) استاد ناشر (پبلشر) کی طرف سے ہے۔ ناشر نے اسے شیخ بدران دومانی سے سنا اور اس پر اعتماد کیا۔ گویا ناشر موصوف کو معلوم نہ تھا' کہ بدران مذکور بیہودہ قیاسات اور بے قاعدہ کلام کرنے میں کس قدر دلیر ہے۔ اور (گویا) اس جماعت کا اعتقاد نہ تھا کہ اللہ کا نزول ابن تیمیہ کے نزول کی مانند ہے تاکہ اس کلام زائد کے کچھ معنی ہوتے۔ اس مقام پر میرے کلام میں زیادت کے سبب سے شیخ خضر سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ استحالۃ المعیۃ میں مجھ پر نکتہ چینی کی ہے' حالانکہ میں اس زیادت سے بری ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس سے مسامحت کرے۔ (تکملۃ الرد۔ ص: ۸۲۔ ۸۳)

فقیر اگلی گزارش کرتا ہے کہ اس قسم کی حرکات سے تجسیم کا داغ ابن تیمیہ کے دامن سے دھویا نہیں جا سکتا' تصریحات مذکورہ بالا کی موجودگی میں تاویل کا پلاسٹر بھی اس کی درز بندی نہیں کر سکتا۔ ابن تیمیہ کے حامی ہمارے ملک میں بھی ہیں' جب اس کا ذکر آتا ہے۔ تو اس کی علمی لیاقت و حافظہ وغیرہ کی نسبت مادحین کے اقوال نقل کرنے لگتے ہیں' مگر انہیں یاد رہے کہ یہاں اس کے علم میں کلام نہیں۔ کلام تو اس کے عقائد میں ہے' جو خلاف کتاب و سنت و اجماع ہیں۔ رہی علمی لیاقت۔ سو عنقریب اس کے مبلغ علم کی بھی قلعی کھل جائے گی۔

علماء وقت کی مساعی جمیلہ:

ابن تیمیہ کے فتنہ کو فرو کرنے میں علماء و حاکم وقت نے جو حصہ لیا' اس

کی کیفیت اوپر مذکور ہو چکی ہے۔ وہ علماء جو پہلے ابن تیمیہ کے مداح تھے‘ اس کے برے عقائد کے سبب سے یکے بعد دیگرے اس کے مخالف بن گئے۔ جن علماء نے خصوصیت سے اس کار خیر میں شرکت فرمائی ان کا حال ذیل میں بطریق اختصار درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ شیخ صفی الدین ہندی اموی (پیدائش ۶۶۶ھ ۔ وفات ۷۱۵ھ) آپ اشعری المذہب مشہور متکلم تھے۔ ابن تیمیہ کے ساتھ سب سے پہلے آپ ہی کا مناظرہ ہوا تھا۔ جس کی کیفیت پہلے بیان ہو چکی ہے۔

۲۔ علامہ کمال الدین الزملکانی (پیدائش شوال ۶۶۷ھ ۔ وفات ۱۶ رمضان ۷۲۷ھ)۔ آپ قاضی القضاۃ علامہ کمال الدین اور مشہور مناظر تھے۔ آپ پہلے ابن تیمیہ کے مداح تھے۔ عقیدہ حمویہ کے سبب سے مخالف بن گئے۔ آپ نے ابن تیمیہ سے مناظرہ کیا۔ اور دو رسالے اس کے رد میں لکھے۔ ایک مسئلہ طلاق میں۔ دوسرا مسئلہ زیارت میں۔ (فوات الوفیات)

۳۔ شیخ ابو حیان نحوی (پیدائش شوال ۶۵۴ھ ۔ وفات ۲۸ صفر ۷۴۵ھ) آپ پہلے ابن تیمیہ کے مداح تھے۔ کتاب العرش دیکھ کر ایسے مخالف بن گئے کہ مرتے دم تک اسے برا بھلا کہتے رہے‘ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

۴۔ شیخ برہان الدین ابن الفرکاح (پیدائش ۶۶۰ھ ۔ وفات جمادی الاولی ۷۲۹ھ)۔ آپ شام میں مشہور فقیہ تھے۔ پہلے ابن تیمیہ کی مدح کیا کرتے تھے‘ پھر اس کے برے عقائد کے سبب سے مخالف ہو گئے۔ جب ابن تیمیہ نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لئے سفر کو معصیت بتایا۔ توشامیوں نے ابن تیمیہ کے بارے میں استفتاء کیا‘ اس پر آپ نے جواب

میں قریباً چالیس سطریں لکھ کر تکفیر کا فتویٰ دیا۔ اور شہاب بن جہل نے آپ سے اتفاق کیا۔ (تکملہ الرد للکوثری)۔ مگر مصر کے مذاہب اربعہ کے قضاۃ القضاۃ (بدر بن جماعہ شافعی۔ محمد بن الجریری انصاری حنفی۔ محمد بن ابی بکر مالکی۔ احمد بن عمر مقدسی حنبلی) نے تکفیر میں موافقت نہ کی۔ اور ابن تیمیہ کو ۷۲۶ھ میں جیل میں بھیج دیا گیا۔

۵۔ حافظ صلاح الدین علائی (پیدائش ۶۹۴ھ۔ وفات محرم ۷۶۱ھ)۔ آپ فقیہ و متکلم و ادیب و اشعری المذہب صحیح العقیدہ سنی تھے۔ حنابلہ کے ساتھ اکثر آپ کو خصوصیت رہتی۔ آپ نے مسئلہ زیارت میں ابن تیمیہ کے رد میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ ابن تیمیہ کے حال سے خوب واقف تھے' عقائد و فروع میں ابن تیمیہ کے شواذ کی تفصیل آپ کی روایت سے پہلے نقل ہو چکی ہے۔

۶۔ شیخ علاء الدین قونوی (پیدائش ۷۲۷ھ بعمر ۶۲ سال)۔ آپ علوم تفسیر و حدیث و فقہ و تصوف و کلام وغیرہ کے جامع تھے۔ آپ نے تصوف میں کتاب التعرف کی شرح لکھی ہے' اس میں مسئلہ حیات الانبیاء میں ابن تیمیہ کی خوب خبرلی ہے۔

۷۔ علامہ صدر الدین بن المرجل (پیدائش ۶۶۵ھ۔ وفات ۷۱۱ھ) آپ ذکاء و حافظہ میں اعجوبہ روزگار تھے اور فصیح مناظر تھے شام میں ابن الوکیل کر کے مشہور تھے۔ ابن تیمیہ کے ساتھ آپ نے کئی مناظرے کئے' اس لئے تیمیوں نے ازروئے تعصب بعض ایسی باتیں آپ سے منسوب کر دیں۔ جن سے آپ بری تھے۔ (طبقات للتاج السبکی)

۸۔ شیخ شہاب الدین کلابی حلبی۔ آپ نے مسئلہ جہت میں میں ابن تیمیہ کے رد میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ جس کا اردو ترجمہ ہم شائع کر رہے ہیں۔

۹۔ حافظ شیخ الاسلام تقی الدین ابو الحسن علی بن عبدالکافی السبکی (پیدائش ٦٨٣ھ ۔ وفات ٧٥٦ھ)۔ آپ جامع العلوم تھے۔ ابن تیمیہ کے رد میں آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں:

۱۔ شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اس کا نام شن الغارۃ علی من انکر السفر الزیارۃ بھی ہے۔ ابن تیمیہ نے فتویٰ دیا تھا کہ نفس زیارت بھی غیر مشروع ہے۔ اس کی تردید میں یہ رسالہ لکھا گیا' جو مقبول عام ہے۔ ابن تیمیہ کے شاگرد ابن عبد الهادی نے اپنے استاد کی حمایت میں الصاد المنکی لکھا۔ جس کی تردید میں المبرد المبکی فی رد الصارم المنکی لابن علان اور نصرۃ الامام السبکی برد الصارم المنکی للسمنودی لکھے گئے۔ فاضل لکھنوی نے السعی المشکور میں صارم کے کئی مقلات کی تردید کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ ابن تیمیہ نے نفس زیارۃ قبر نبوی ﷺ کو بھی غیر مشروع بتایا ہے' جیسا کہ صارم کے مکالمہ سے ظاہر ہے۔

۲۔ الدرۃ المضیۃ فی الرد علی ابن تیمیہ

۳۔ نقد الاجتماع والافتراق فی مسائل الایمان والطلاق۔

۴۔ النظر المحقق فی الحلف بالطلاق المعلق

۵۔ الاعتبار ببقاء الجنۃ والنار۔

ان چار رسالوں کا یہ مجموعہ یکجا مطبوع ہے۔ الاعتبار میں ابن تیمیہ کے اس

قول کی تردید ہے کہ عذاب جہنم منقطع ہو جائے گا' کیونکہ آتش دوزخ فنا ہو جائے گی۔

۶۔ کتاب التحقیق فی مسئلة التعلیق۔

۷۔ رفع الشقاق فی مسئلة الطلاق۔

دیکھو طبقات الشافعیہ للتاج السبکی۔

۸۔ ابن تیمیہ نے ابن معراجلی رافضی (وفات ۷۲۶ھ) کی کتاب "الاستقامة فی اثبات الامامه" کا جواب منہاج السنة النبوية فی نقض کلام الشيعة والقدرية لکھا۔ جس کی نسبت امام تقی الدین سبکی یوں فرماتے ہیں:

لكنه خلط الحق المبين بما۔ يشوبه كدرا فی صفومشربه

يرى حوادث لا عبدا لاولها فی الله سبحانه عما يظن به

لوكا حيا يرى قولی و يفهمه لرددت ما قال اثر سيسبه

(طبقات للتاج)

ماحصل ان اشعار کا یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے منہاج میں حق کو باطل کے ساتھ ملا دیا ہے۔ چنانچہ وہ عالم کے قِدم نوعی کا قائل ہے۔ اگر وہ زندہ ہوتا' تو میں اس کا رد لکھتا۔

علامہ تقی الدین سبکی نے ابن القیم کے رسالہ نونیہ کا بھی رد لکھا ہے۔ جس کا نام السیف الصقیل فی الرد علی ابن رفیل ہے۔ یہ نونیہ بہت بڑا رسالہ ہے۔ جس میں قریباً چھ ہزار ابیات ہیں۔ شیخ محمد زاہد کوثری نے اس رد کا تکملہ لکھا ہے جو رد کے ساتھ مطبوع ہے۔

۱۰۔ قاضی قضاۃ المالکیہ تقی الدین ابو عبداللہ محمد اخنائی نے بھی علامہ تقی الدین سبکی کی طرف مسئلہ زیارت میں ابن تیمیہ کے رد میں المقالۃ المرضیۃ فی الرد علی من ینکر الزیارۃ المحمدیۃ لکھا ہے۔ (تکملۃ السیف الصقیل)

۱۱۔ قاضی شمس الدین ابو العباس سروجی (پیدائش ۶۳۷ھ۔ وفات ۷۱۰ھ یا ۷۱۹ھ)۔ آپ نے ادب و صحت ذہن کے ساتھ ابن تیمیہ کا رد لکھا ہے' اور ابن تیمیہ نے اس رد کا رد لکھا ہے۔ (درر کامنہ)

۱۲۔ تاج الدین ابو الفضل اسکندرانی شاذلی۔ (وفات ۷۰۹ھ)۔ آپ نے ابن تیمیہ کی تردید میں کئی کتابیں لکھی ہیں۔ (درر کامنہ)

۱۳۔ علامہ جمال الدین ابن جملہ شافعی (پیدائش ۶۸۶ھ ۔ وفات ۷۳۸ھ)۔ آپ بڑے مناظر تھے۔ ابن تیمیہ اور تیمیون اور بدعتیوں کی خوب خبر لیا کرتے تھے۔ (درر کامنہ)

۱۴۔ علامہ شمس الدین ذہبی (پیدائش ۶۷۳ھ ۔ وفات ۷۸۴ھ)۔ پہلے آپ ابن تیمیہ کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے۔ بلکہ اس کے مخالفین کو لکھا کرتے کہ ابن تیمیہ کے ساتھ اپنے لہجہ کو نرم کر دیں۔ چنانچہ بقول ابن رجب آپ نے تقی الدین سبکی کو بھی ایسا ہی لکھا تھا۔ مگر جب دیکھا کہ عقائد میں شواذ کے سبب سے لوگ اس کا ساتھ چھوڑتے جاتے ہیں۔ تو اس کے لئے بطور نصیحت ایک رسالہ لکھا جو دارالکتب المصریہ میں خط تقی (۷) ابن قاضی شہبہ محفوظ ہے۔ علامہ کوثری نے اسے تکملۃ الرد میں بصورت زنکو غرافیہ شائع کیا ہے۔ نظر براختصار ہم ذیل میں اس کا اردو

ترجمہ پیش کرتے ہیں:

یہ رسالہ ہے جسے لکھ کر بھیجا شیخ شمس الدین ابو عبداللہ ذہبی نے شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کی طرف۔ میں (قاضی تقی الدین ابن شبہ) نے اسے لکھا' قاضی القضاۃ برہان الدین بن جماعہ رحمۃ اللہ علیہ کے خط سے' اور اس نے لکھا شیخ حافظ ابو سعید ابن العلائی کے خط سے۔ اور اس نے لکھا اس کے بھیجنے والے شیخ شمس الدین کے خط سے۔

"الحمد للہ! اے میرے پروردگار! مجھ گنہگار پر رحم کر اور میری لغزش معاف کر۔ اور میرے ایمان کو بچا۔"

واخزناہ! میرے غم کی کمی پر افسوس! سنت پر اور اہل سنت کے چلا جانے پر۔

واشوقاہ! کہاں ہیں مومن بھائی جو رونے میں میرا ساتھ دیں۔ لوگوں کے گم ہونے پر جو علم کے چراغ اور پرہیزگار اور نیک اعمال کے خزانے تھے۔

افسوس! حلال درہم اور ہمدم بھائی نہیں ملتا۔ بشارت و فرحت ہے اس کے لئے جس کو اپنا ہی عیب لوگوں کے عیب کے دیکھنے سے روکتا ہے۔ اور ہلاکت و نقصان ہے اس کے لئے جس کو لوگوں کے عیب اپنے عیب کے دیکھنے سے روکتے ہیں۔ تو کب تک اپنے بھائی کی آنکھ میں تنکا دیکھے گا اور اپنی آنکھ میں شہتیر کو فراموش کر دے گا؟ تو کب تک اپنے نفس اور اپنے خطبات و عبارات کی مدح کرتا رہے گا؟ اور عالموں کی مذمت اور لوگوں کے عیب جوئی کرتا رہے گا؟ حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

(اپنے مردوں کو بجز نیکی کے یاد نہ کرو' کیونکہ انہوں نے پالیا جو پہلے کیا۔) ہاں' میں

جانتا ہوں کہ تو اپنی ذاتی مدد کے لئے مجھ سے یوں کہہ رہا ہے۔ کہ خرابی تو ان لوگوں میں ہے جنھوں نے اسلام کی بو نہیں سونگھی اور جنھوں نے نہ پہنچانا وہ جو حضرت محمد ﷺ لائے یعنی جہاد۔ ہاں! اللہ کی قسم! انہوں نے خیر کثیر کو پہچانا جس پر اگر بندہ عمل کرے تو بے شک وہ کامیاب ہے۔ اور نہ پہچانا بہت کچھ جو ان کے لئے ضروری نہیں۔ مرد کے حسن اسلام کی علامات سے اس کا ترک کر دینا ہے جو اس کے لئے ضروری نہیں۔ بلکہ فضول و بے فائدہ ہے۔

اے مرد! تجھے خدا کی قسم! ہم سے باز رہ' کیونکہ تو بڑا حجت گو علیم اللسان ہے۔ تو چین نہیں لیتا۔ اور نہ سوتا ہے۔ تم اپنے تئیں غلوطات [۸] سے بچاؤ۔ تیرے نبی ﷺ نے مسائل کو پسند نہ فرمایا اور اسے معیوب بتایا اور کثرت سوال سے منع فرمایا۔ اور یوں ارشاد فرمایا (مجھے امت پر جس چیز کا سب سے زیادہ ڈر ہے وہ منافق علیم اللسان [۹] کا شر ہے۔) کثرت کلام جو لغزشوں سے خالی ہو دل کو سخت کر دیتی ہے جبکہ حلال و حرام میں ہو۔ پس وہ کیسی ہو گی جبکہ عبارات یونیہ [۱۰] و فلاسفہ اور ان کفریات میں ہو جو دلوں کو اندھا کر دیتی ہیں۔

خدا کی قسم! ہم مضحکہ بن گئے ہیں۔ تو کب تک دقیق کفریات فلسفیہ نکالتا رہے گا تاکہ ہم ان کو اپنی عقلوں سے رد کرتے رہیں۔ اے مرد! تو فلاسفہ اور ان کی تصانیف (کی زہروں) کو بارہا نگل چکا ہے۔ اور زہروں کی کثرت استعمال سے جسم اس کا عادی ہو جاتا ہے اور بخدا! وہ بدن میں سرایت کر جاتی ہیں۔

واشوقاہ! وہ مجلس جس میں تلاوت تدبر کے ساتھ' خشیت تذکر کے ساتھ اور خاموشی تفکر کے ساتھ ہو۔

آہا! وہ مجلس جس میں نیکیوں کا ذکر کیا جائے' کیونکہ صالحین کے ذکر کے

وقت رحمت نازل ہوتی ہیں۔ ہاں! صالحین کو حقارت و لعنت کے ساتھ ذکر کرنے کے وقت حجاج کی تلوار اور ابن حزم کی زبان دو بھائی تھے۔ تو نے ان دونوں کے ساتھ رشتہ برادری قائم کرلیا ہے۔

اللہ کی قسم! ہم نے بدعت خمیس واکل حبوب کا ذکر چھوڑ دیا اور انہوں نے ان بدعتوں کے ذکر میں کوشش کی جن کو ہم گمراہی کی بنیاد سمجھتے تھے اور اب وہ خالص سنت اور بنیاد توحید بن گئیں۔ جو ان بدعتوں کو نہ پہچانے۔ وہ کافر گمراہ ہوا' اور جو تکفیر نہ کرے وہ فرعون سے بڑا کافر ہوا' تو نصاریٰ کو ہماری مثل بتاتا ہے'

اللہ کی قسم! دلوں میں شکوک ہیں۔ اگر شہادتین کے ساتھ تیرا ایمان سلامت رہ گیا۔ تو تو سعید ہے۔ اے ناامیدی اس کی جس نے تیری پیروی کی! کیونکہ اس نے زندقہ و انحلال پیش آئے گا' خصوصاً جبکہ وہ قلیل العلم والدین باطولی شہوانی ہو' لیکن وہ تجھے فائدہ دے گا اور تیرے سامنے ہاتھ اور زبان سے کوشش کرے گا اور باطن میں اپنے حال و قلب میں تیرا دشمن ہو گا۔ تیرے تابعین کا بڑا حصہ تعید مربوط' سبک عقل یا عامی کذاب' کند ذہن یا بیگانہ ترش رو' بڑے مکروالے یا ہلاک ہونے والا صالح بے سمجھ ہیں۔ اگر تو میری تصدیق نہیں کرتا' تو ان کی پڑتال کرلے اور ان کو عدل کے ترازو میں تول۔

اے مسلم! تیری شہوت کا گدھا تیرے نفس کی مدح کے لئے آگے بڑھا ہوا ہے۔ تو کب تک اس کے ساتھ دوستی اور نیکوکاروں کے ساتھ دشمنی رکھے گا؟ تو کب تک اس کے ساتھ دوستی رکھے گا اور نیکوں کو حقیر سمجھے گا؟ تو کب تک اس کو بڑا اور بندگان خدا کو چھوٹا بتائے گا؟ تو کب تک اسکے ساتھ دوستی اور

زاہدوں کے ساتھ دشمنی رکھے گا؟ تو کب تک اپنے کلام کی اس طرح مدح کرے گا کہ بخدا صحیحین کی حدیثوں کی بھی ایسی مدح نہ کرے گا۔ کاش صحیحین کی حدیثیں تجھ سے بچ جائیں' تو ہر وقت ان پر تضعیف و بطلان یا تاویل و انکار سے حملہ کرتا رہتا ہے۔ کیا تیرے واسطے وقت نہیں آیا کہ تو باز آجائے؟ کیا وہ وقت نہیں آیا کہ تو توبہ کرلے اور رجوع کرلے؟ دیکھ! تو (عمر میں) ستر کے عشر میں ہے اور دنیا سے تیری رحلت قریب ہے؟

اللہ کی قسم! مجھے یاد نہیں کہ تو موت کو یاد رکھتا ہو' بلکہ تو اس شخص کو حقیر سمجھتا ہے جو موت کا ذکر کرے۔ میں گمان نہیں کرتا تو میری بات کی طرف توجہ کرے گا اور میری نصیحت کی طرف کان لگائے گا' بلکہ تیرا قصہ تو یہ ہوگا کہ تو اس ورقہ کی تردید کئی جلدوں میں کرے اور میرے واسطے لواحق کلام کو قطع کر دے اور بدلہ لیتا رہے' یہاں تک کہ میں کہہ دوں۔ "وہ بے شک خاموش ہو گیا۔" اور جب میرے نزدیک تیرا یہ حال ہے' حالانکہ میں شفیق و محب اور دوستی رکھنے والا ہوں۔ پس تیرے دشمنوں کے نزدیک تیرا حال کیسا ہوگا۔

اللہ کی قسم! تیرے دشمنوں میں صالحین و عقلمند و فضلاء ہیں جیسا کہ تیرے دوستوں میں بدکار۔ جھوٹے۔ جاہل۔ دلیر اور کند ذہن و کند نظر لوگ ہیں۔ میں تیری طرف سے راضی ہوں کہ تو مجھے علانیہ برا بھلا کہے اور درپردہ میرے قول سے فائدہ اٹھائے (اللہ رحم کرے اس مرد پر جو میری طرف عیبوں کا ہدیہ بھیجے۔) کیونکہ میرے عیب بہت اور میرے گناہ بکثرت ہیں۔ مجھ پر افسوس ہے۔ اگر توبہ نہ کروں۔ اے میری رسوائی! خدائے علام الغیوب کی طرف سے۔ میری دوا اللہ کی معافی اور اس کی مسامحت و توفیق و ہدایت ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

الْعٰلَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ابن تیمیہ کے سوء عقیدہ کے سبب سے جمہور علماء وقت اس کے مخالف بن گئے تھے۔ باقی اقل قلیل جو تھے ان کا وصف علامہ ذہبی نے بیان کر دیا۔ پس ان کا قول ساقط عن الاعتبار ہے۔ امام تقی الدین الحصنی اپنی کتاب (دفع شبهة من شبه و تمرد و نسب ذلک الی الامام احمد) میں لکھتے ہیں کہ ابن کثیر و شمس ابن عبد الہادی و صلاح کتبی کا قول ابن تیمیہ کے بارے میں قابل اعتماد نہیں' کیونکہ وہ نو عمر تھے جو اس کی صحبت میں بیٹھ کر بگڑ گئے۔ شیخ ابن حجر مکی فتاویٰ حدیثیہ ص ۸۶ میں لکھتے ہیں۔

"ابن تیمیہ وہ بندہ ہے جس کو اللہ نے خوار کیا اور گمراہ کیا اور اندھا اور بہرا کر دیا اور ذلیل کر دیا۔ اس بات کی تصریح کی ہے ان اماموں نے جنہوں نے اس کے احوال کا فساد بیان کیا ہے۔ اور اس کے اقوال کی تکذیب کی ہے۔"

جو یہ دیکھنا چاہے۔ وہ امام مجتہد ابو الحسن سبکی (جن کی امامت و جلالت پر اور مرتبہ اجتہاد پر پہنچنے پر اتفاق ہے) اور ان کے بیٹے تاج سبکی اور امام عز بن جماعہ اور انکے معاصرین و غیرھم شافعیہ و مالکیہ و حنفیہ کے کلام کا مطالعہ کرے۔ اس کا اعتراض متاخرین صوفیہ پر منحصر نہیں' بلکہ اس نے حضرات عمر بن خطاب و علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے اکابر صحابہ پر اعتراض کیا ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ حاصل یہ کہ اس کے کلام کو وزن و وقعت نہ دی جائے' بلکہ اسے زمین سخت و درشت پر پھینک دیا جائے اور اس کی نسبت اعتقاد رکھنا

چاہیے کہ وہ مبتدع گمراہ اور گمراہ کرنے والا جاہل غالی ہے۔ اللہ اپنے عدل سے اس کے ساتھ سلوک کرے اور ہم کو اس کے طریقے اور عقیدے اور فعل سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔"

حواشی

۱۔ وادی قریٰ اور شام کے درمیان ایک بستی کا نام ہے۔

۲۔ فوات الوفیات بحوالہ تذکرۃ الحفاظ لابن عبدالہادی۔

۳۔ فوات الوفیات۔ جزء اول۔ ص ۴۰

۴۔ امیر تنکز سیف الدین کو ناصر شاہ مصر نے ربیع الاول ۷۱۲ھ میں نائب دمشق بنا کر بھیجا تھا۔ اس مناظرہ کے وقت آقش الافرم نائب دمشق تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۵۔ علامہ کوثری تکملۃ الرد میں لکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ و ابن القیم کے کلام میں بعض جگہ جو وجہ، عین ید وغیرہ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ صفات ہیں۔ ان کے کلام کے سیاق و سیاق سے پایا جاتا ہے۔ کہ اس سے ان کی مراد اجزاء ذات ہیں نہ کہ معانی قائمہ بالذات جو مذہب سلف ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ اجوبہ مصریہ میں لکھتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَقْبِضُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْيَدَيْنِ اللَّتَيْنِ هُمَا الْيَدَانِ۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یدین سے مراد وہ دو ہاتھ ہیں جو اجزاء ذات ہیں۔

۱۲

۶۔ ابن تودت جبل السوس کے رہنے والا تھا۔ اس نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ ۵۱۴ھ میں اس نے مراکش میں انقلاب پیدا کرنے کے لئے سازش کی، مگر گرفتار ہو گیا۔ امیر مراکش نے اسے معاف کر دیا اور وطن چلا آیا۔ وہاں ایک چھوٹی سی ریاست کے قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا، جو ایک سو سال تک باقی رہی۔

۷۔ ابو حیان نے پہلے تفسیر البحر المحیط تصنیف کی۔ پھر اس کا اختصار کیا جس کا نام النہر الماء من البحر رکھا۔

۸۔ دار الکتب المصریہ اور خزانہ ظاہریہ دمشق میں ابن شبہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی

کتابیں موجود ازاں جملہ دارالکتب المصریہ ہیں۔ میں طبقات الشافعیہ کا خط ہے اور خزانہ ظاہریہ میں تاریخ کبیر للذہبی میں سے تراجم شافعیہ کا انتخاب اسی کے ہاتھ کا ہے ان دونوں کے ساتھ رسالہ زیر بحث کے خط کا مقابلہ کرکے ہر شخص اپنی تسلی کر سکتا ہے۔ امام سخاوی نے اعلان بالتوبیخ میں اسی رسالہ ذہبی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ۱۲

۹۔ غلوطات۔ غلط باتیں۔ ایسا کلام جو دوسروں کو غلطی میں ڈالے۔"

۱۰۔ علیم اللسان۔ متصف بہ علم لسان جو باطن پر کچھ اثر نہ کرے' ایسا علم حجت اللہ ہے۔ لم تقولون مالا تفعلون۔

۱۱۔ یونسیہ۔ یونس بن عبدالرحمٰن قمی کے پیرو۔ امامیہ کا ایک فرقہ ہے۔ یونس مذکور تشبیہ میں افراط سے کام لیتا تھا۔ کذافی کتاب الفرق بین الفرق للامام ابی منصور عبدالقدھر البغدادی المتوفی سنہ ۴۲۹ھ

دوسرا مقالہ

مسئلہ جہت کا بیان:

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت و طرف سے پاک ہے' وہ کسی خاص جہت میں نہیں۔ دیکھو اقتباسات ذیل:

۱۔ امام حجتہ الاسلام ابو جعفر احمد طحاوی حنفی (متوفی ۳۲۱ھ) لکھتے ہیں۔

تعالٰی عن الحدود والغایات والا رکان والاعضاء والادوات ولا تحویه الجهات الست

(عقیدہ طحاوی مطبوعہ مطبع قاسمیہ دیوبندیہ ص ۴)

"اللہ تعالیٰ برتر ہے حدود و غایات و ارکان و اعضاء و ادوات سے اور جہات ستہ اس کا احاطہ نہیں کرتیں"

۲۔ امام ابو القاسم قشیری شافعی (متوفی ۴۶۵ھ) اپنے مشہور رسالہ (مطبوعہ مصر۔ ص ۷) میں یوں فرماتے ہیں:

ولا یتقدر فی العقول ولا له جهة ولا مکان ولا۔ یجری علیه وقت وزمان۔

"عقلوں میں اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا' اور نہ اس کے لئے جہت ہے نہ مکان اور اس پر وقت و زمان جاری نہیں ہوتے۔"

۳۔ امام حجتہ الاسلام ابو حامد محمد غزالی شافعی (متوفی ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں:

ندعی انه لیس فی جهة مخصوصة من الجهات الست۔ (الاقتصاد فی الاعتقاد مطبوعہ مصر۔ ص ۲۲)

"ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ چھ طرفوں میں سے کسی خاص جہت و طرف میں نہیں۔ اس کے بعد امام موصوف نے اس دعویٰ کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔"

۴۔ سلطان العلماء شیخ عزالدین بن عبدالاسلام (متوفی ۶۶۰ھ) حنابلہ متبدعہ کے استفتاء کے جواب میں امام اشعری کا عقیدہ نقل فرماتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

لیس بجسم مصور ولا جوهر محدود مقدر ولا یشبه شیئًا ولا یشبهه شيئ ولا تحیط به الجهات

(طبقات الشافعیه الکبرے للتاج السبکی۔ جزء خامس۔ ص ۲۲)

"اللہ تعالیٰ جسم مصور نہیں' اور نہ جوہر محدود مقدر ہے۔ وہ کسی شے کی مثل نہیں اور نہ کوئی شے اس کی نقل ہے' اور نہ جہات اس کا احاطہ کرتی ہیں"

۵۔ شیخ شہاب الدین احمد بن یحییٰ کلابی اپنے رسالہ میں اہل سنت و جماعت اور مشائخ طریقت کا عقیدہ نقل فرماتے ہیں' جو آگے آئے گا۔

۶۔ علامہ قاضی عضد الدین عبدالرحمٰن (متوفی ۷۵۶ھ) مواقف میں لکھتے ہیں۔

المقصد الاول انه تعالیٰ لیس فی جهة ولا فی مکان و خالف فیه المسبهة و خصصوه بجهة الفوق

(شرح مواقف مصری۔ جزء ثامن۔ ص: ۱۹)

"مقصد اول کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت میں نہیں اور نہ کسی مکان میں ہے۔

اس میں مشبہہ نے مخالفت کی ہے اور خدا کو جہت فوق کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔"

۷۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتا زانی شافعی (۷۹۲ھ) نے شرح عقائد نسفی میں جو مشہور و متداول ہے' یوں لکھا ہے:

واذا لم یکن فی مکان لم یکن فی جهة لاعلو و سفل ولا غیرهما لانها اما حدود و اطراف للامکنة اونفس الامکنة باعتبار عروض الاضافة الی شیئ

"جب باری تعالٰی مکان میں نہیں' وہ کسی جہت میں نہیں' نہ علو و سفل میں اور نہ ان دونوں کے جہات میں' کیونکہ جہات یا تو مکان کی حدود اطراف ہوتی ہیں یا خود مکانات باعتبار عارض ہونے اضافت کے کسی شے کی طرف۔"

۸۔ علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی شریف القدسی الشافعی (متوفی ۹۰۵ء) کتاب المسامرہ فی شرح المسائرہ (مطبوعہ مصر۔ ص ۲۹) میں لکھتے ہیں۔

(الاصل السابع انه تعالٰی لیس مختصًا بجهة) ای لیست ذاته المقدسة فی جهة الجهات الست ولا فی مکان من الامکنة (لان الجهات) الست (التی هی الفوق والتحت والیمین الی آخرها) ای والشمال والا مام والخلف (حادثة باحداث الانسان ونحوه مما یمشی علی الرجلین)

"اصل سابع یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کسی جہت کے ساتھ مختص نہیں) یعنی

اس کی ذات مقدسہ چھ جہتوں میں سے کسی جہت میں نہیں اور نہ مکانوں میں سے کسی مکان میں ہے (کیونکہ جہات) چھ (جو فوق تحت یمین الخ ہیں۔) یعنی اوپر نیچے' آگے پیچھے اور دائیں بائیں (حادث ہیں انسان اور اس کی مثل جو دو پاؤں پر چلتے ہیں کہ حادث کرنے کے ساتھ"

۹۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سیدنا شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۰۳۴ھ) اپنے مکتوبات (دفتر دوم' مکتوب شصت و ہفتم) میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔

او تعالیٰ از صفات ولوازم جواہر و اجسام و اعراض منزہ است زمان و مکان وجہت را در حضرت اوتعالیٰ گنجائش نیست' ا۔انہا ہمہ مخلوق اوند بے خبر باشد کہ او را سبحانہ فوق العرش خواند وجہت فوق اثبات کند' عرش وماسوائے آن ہمہ حادث اند' و مخلوق اوند تعالیٰ مخلوق و حادث راچہ مجال کہ مکان خالق قدیم گر دو و مقراد سود۔

۱۰۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی اپنی کتاب تکمیل الایمان (مطبوعہ مطبع محمدی کانپور۔ ص ۴) میں لکھتے ہیں: ولا محدود و لا فی جهة ولا فی مکان ولا فی زمان یعنی باری تعالیٰ نہ محدود ہے اور نہ کسی جہت میں ہے اور نہ کسی مکان میں اور نہ کسی زمان میں ہے۔

۱۱۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی حنفی (متوفی ۱۲۳۹ھ) تحفہ اثنا عشریہ (مطبوعہ نوا لکشور ص ۱۴۱) میں یوں لکھتے ہیں۔ عقیدہ سیزدہم آنکہ حق تعالیٰ امکان نیست و او را جہتے از فوق و تحت متصور نیست وہمیں است مذہب اہل سنت و جماعت یعنی تیراھواں عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مکان

نہیں اور اس کے لئے کوئی جہت اوپر یا نیچے متصور نہیں' اور یہی ہے مذہب اہل سنت و جماعت کا۔

اہل سنت و جماعت کے برخلاف ابن تیمیہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت علو میں ہے' یعنی اوپر کی طرف میں جیسا کہ اس نے عقیدہ حمویہ میں بصراحت تمام لکھا ہے۔ اس عقیدہ کے رد میں ابن تیمیہ کے ایک ہم عصر عالم نے ایک رسالہ عربی زبان میں تحریر فرمایا ہے جو طبقات الشافعیتہ الکبری للتاج السبکی میں اس عالم کے ترجمہ میں منقول ہے۔ ہم اسی رسالہ کا اردو ترجمہ شائع کر رہے ہیں۔ یہ رسالہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اس کے مطالعہ سے عقیدہ حمویہ کے فساد کے علاوہ ابن تیمیہ کے مبلغ علم کی بھی قلعی کھل جاتی ہے۔ مصنف نے اس رسالہ کا نام نہیں بتایا ہے' مگر ہم نے بلحاظ مضمون اس کا نام الرد علی ابن تیمیہ فی عقیدۃ الحمویہ رکھ دیا ہے۔ آغاز رسالہ سے پہلے یہاں مصنف کا مختصر حال درج کیا جاتا ہے۔

ترجمہ مصنف از طبقات الشافعیتہ الکبری للتاج السبکی

(احمد بن یحییٰ بن اسماعیل) شیخ شہاب الدین ابن جہبل کلابی حلبی الاصل ہیں۔ آپ نے ابوالفرج عبدالرحمٰن بن زین مقدسی۔ ابو الحسن بن البخاری' عمر بن عبدالمنعم بن القواس اور احمد بن ہبتہ اللہ بن عساکر وغیرہ سے سماع کیا۔ مدرس و مفتی رہے ہیں' اور کچھ مدت قدس و دمشق میں علمی خدمت میں مشغول رہے ہیں۔ دمشق میں بادرائیہ کی تدریس آپ کی سپرد تھی۔ آپ محدث تھے' حافظ علم الدین قاسم بن محمد بن برزالی نے آپ سے سماع حدیث کیا' آپ نے ۷۳۳ھ میں وفات پائی۔

رسالہ شیخ شہاب الدین ابن جبل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

سب ستائش اللہ کے لئے ہے جس کی شان بڑی اور جس کی حجت و قدرت قوی اور جس کا تصرف غالب اور جس کی عظمت و بزرگی ظاہر ہے' وہ ہر چیز سے بے نیاز اور ہر چیز اسی کی محتاج ہے۔ کائنات کی ہر چیز کا سہارا اسی پر ہے۔ اس نے حضرت محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو روشن راہ راست اور شریعت واضح دے کر بھیجا' بس حضرت نے اوضح براہین پیش کیں اور سالکوں کا راستہ روشن کر دیا اور خدا تعالی کے لئے صفات جلال بیان فرمائیں۔ اور اس ذات پاک سے ایسی صفات کی نفی کر دی جو شایان کبریاء و کمال نہ تھیں۔ سو اللہ کبیر متعال برتر ہے اس سے جو گمراہ لوگ بتاتے ہیں۔ عرش اس کو اٹھائے ہوئے نہیں' بلکہ عرش اور اس کے اٹھانے والے اس کی لطیف قدرت سے محمول اور اس کے قبضہ قدرت میں مقہور و مغلوب ہیں' اس نے علم سے ہر شے کو گھیرا ہوا ہے اور ہر چیز کو خوب گنا ہوا ہے۔ وہ دلوں کے وسواس اور خواطر کی حرکات سے آگاہ ہے۔ اس کی شان کیسی بڑی اور اس کی حجت و قدرت کیسی غالب و قوی ہے! آسمان و زمین والے اس سے سوال کرتے ہیں کیونکہ اس کے محتاج ہیں۔ وہ ہر روز کسی نہ کسی کام میں ہوتا ہے' کیونکہ اس پر قادر ہے۔ اور درود و سلام ہو سیدنا محمد ﷺ پر جو خدا کے پیغمبروں میں سب سے اخیر اور اس کی خبریں پہنچانے والے ہیں اور آپ کے آل و اصحاب پر۔

امابعد! اس رسالے کے لکھنے کا سبب یہ ہے کہ ان ایام میں بعض (ابن

تیمیہ) نے لکھ دیا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہت و طرف ثابت ہے۔ اس کی تحریر سے ایسے لوگوں نے دھوکا کھایا ہے جن کے قدم تعلیم میں راسخ نہیں۔ وہ معرفت کے دامن کو پکڑے ہوئے ہیں' نہ فہم کی لگام نے انہیں روکا ہوا ہے اور نہ وہ نور حکمت سے دیکھنے والے ہیں۔ اس لئے میں نے چاہا کہ پہلے اہل سنت و جماعت' کے عقیدے کا ذکر کروں۔ پھر اس تحریر کا فاسد ہونا بیان کروں' باوجودیکہ اس نے کوئی دعویٰ ایسا نہیں کیا جسے اس نے خود ہی نہ توڑا ہو اور کوئی قاعدہ ایسا نہیں بنایا جس کو اس نے خود ہی نہ گرایا ہو۔ بعد ازاں اس مسئلہ میں عقیدہ اہل سنت و امور متعلقہ کو دلائل سے ثابت کروں۔ لیجئے میں اس سے پہلے ایک مقدمہ ذکر کرتا ہوں جس سے اس مسئلے پر روشنی پڑے گی۔

مذہب حشویہ مسلک سلف صالحین

حشویہ کے دو فریق ہیں۔ ایک فریق تو حشویہ[1] (تجسیم و تشبیہ) کے ظاہر کرنے میں پہلو تہی نہیں کرتا۔ دوسرا فریق حرام کے کھانے یا متاع دنیا کے حاصل کرنے کے لئے یا کسی نفسانی خواہش پر نالائق جاہلوں اور نااہل کمینہ لوگوں کو آمادہ و متفق کرنے کے لئے مذہب سلف کی آڑ لیتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ شیطان کی عادت بجز خذلان امت محمد ﷺ نہیں ہے۔ اسی واسطے وہ فریق عوام کے دلوں کو بدعت و گمراہی ہی پر متفق و آمادہ کرتا ہے۔ جس سے ان کا دین برباد اور یقین بگڑ جائے۔ تواریخ میں سننے میں نہیں آیا کہ ابلیس (خدا اسے خوار کرے!) نے خوارج یا رافضہ یا ملاحدہ یا قرامطہ[2] کے سوا کسی اور کو متفق کیا ہو۔ رہے اہل سنت و جماعت۔ سو وہ اللہ کی کتاب مبین اور اس کی حبل متین کے سوا کسی امر پر متفق نہیں ہوتے۔ دوسرے فریق میں ایسے اشخاص ہیں جو

مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین پر جھوٹ تھوپتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا بھی وہی قول تھا جو ہمارا ہے۔ یہ لوگ اگر زمین کی پڑی کی مقدار بھی سونا خرچ کر ڈالیں۔ تو ایسا نہیں کر سکتے کہ ان سابقین کی نسبت ایک کلمہ بھی ثابت کر دیں جو ان کے دعویٰ کی تصدیق کرتا ہو۔ اس فریق کا سلف کی آڑ لینا اپنی ریاست کی حفاظت اور متاع دنیا کی تحصیل کے لئے ہے۔ یہ چاہتے ہیں کہ تم سے امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں۔ یہ لوگ ریاء و زہد سے آراستہ ہوتے ہیں۔ اور لید کو اندود اور بیت الخلاء کو سفیہ بناتے ہیں اور ذرہ میں زہد کرتے ہیں' تاکہ بڑا موتی ہاتھ آئے۔ اور لوگوں پر اپنا عابد ہونا ظاہر کرتے ہیں' حالانکہ دینار پر لٹو ہیں۔

مذہب سلف تو توحید و تنزیہہ تھا' نہ کہ تجسیم و تشبیہہ' اہل بدعت خیال کرتے ہیں کہ وہ مذہب سلف پر ہیں۔

وکل یدعون وصل لیلی
ولیلی لا تقرلھم بذاکا

(ہر ایک لیلی کے وصل کا مدعی ہے' مگر لیلی ان کے حق میں اس بات کا اقرار نہیں کرتی)

سلف کی نسبت یہ کس طرح اعتقاد ہو سکتا ہے کہ وہ تشبیہ کا عقیدہ رکھتے تھے' یا بدعتیوں کے ظہور کے وقت وہ چپ ہو رہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ وَلَا تَلْبِسُوْا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرہ: ۴۲) "اور مت ملاؤ صحیح میں غلط اور یہ کہ چھپاؤ سچ کو جان کر۔" اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ (آل عمران: ۱۸۷) "اور جب اللہ نے اقرار لیا کتاب والوں سے کہ

اس کو بیان کرو گے لوگوں کے پاس اور نہ چھپاؤ گے۔" اور یہ بھی کلام الٰہی ہے۔ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل : ۴۴) "کہ تو کھول لوگوں کے پاس جو اترا ان کی طرف۔" صحابہ کرام ان اشیاء میں سے کسی میں خوض نہ کرتے تھے' کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حفظ جماعت نہایت ہی ضروری امر ہے' حالانکہ ان کی حجتوں کی تلواریں تیز تھیں اور ان کے نیزے تیار تھے۔ اس واسطے جب خوارج ظاہر ہوئے۔ تو عالم امت و رسول امت کے چچیرے بھائی حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب اور حبر الامہ حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان میں سے بعض مناظرہ سے راہ راست پر آ گئے۔ باقی نے عناد کی وجہ سے انکار کیا' تو ان پر تلوار مسلط ہو گئی۔

ولکن حکم السیف فیکم مسلط

فترضی اذا ما اصبح السیف راضیا۔

(لیکن تلوار کا حکم تم میں مسلط ہے۔ پس ہم راضی ہیں جب تلوار راضی ہو گئی۔)

اسی طرح جب بدعت قدر [۳] نکلی اور معبد جہنی نے اسے ظاہر کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے زاہد امت و ابن فاروق امت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا۔ اگر یہ دونوں بدعتیں ظاہر نہ ہوتیں۔ تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک کے رد اور دوسری کے ابطال میں کلام نہ کرتے۔ ان کی عادت تو یہی تھی کہ تقویٰ و جہاد اور افعال خیر کی ترغیب دیتے۔ اسی واسطے نہ تو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ آپ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی سے یہ منقول ہے کہ لوگوں کو عام مجمع میں جمع کیا ہو۔ پھر حکم دیا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت ایسا ایسا عقیدہ رکھا کرو۔ حالانکہ کئی احکام میں ایسا ہوا ہے۔ اور ہم تو ان

میں اس طرح کلام کرتے ہیں جسے خاص لوگ سمجھتے ہیں اور عام انکار نہیں کرسکتے۔ میں اللہ کی سچی قسم کھاتا ہوں ایک بار نہیں' بلکہ لاکھوں بار کہ حضور سید المرسلین ﷺ نے یوں نہیں فرمایا کہ اے لوگو! تم اعتقاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ جہت علو میں ہے۔ اور نہ خلفاء راشدین نے اور نہ کسی اور صحابی نے یوں کہا ہے۔ بلکہ انہوں نے تعبدات و احکام میں لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ لیکن جب بدعتیں ظاہر ہوئیں۔ تو سلف نے ان کا قلع قمع کر دیا۔ رہا عقائد کے لئے تحریک کرنا اور ان کے اظہار کے لئے اور ان کی ژولیدگی کی درستی کے لئے کمر ہمت باندھنا' سو ایسا انہوں نے نہیں کیا۔ بلکہ بدعتوں کے ظاہر ہوتے ہی جڑ سے کاٹ دیا۔

حشویہ جب مخالفین کے ساتھ اصول دین کے مسائل میں بحث کرتے ہیں تو عقل سے کلام کرتے ہیں اور منقول میں تصرف کرتے ہیں۔ جب حشو تک پہنچتے ہیں' تو بتکلف کند ذہن بن جاتے ہیں۔ تم دیکھو گے کہ نہ عربیت سمجھتے ہیں نہ عجمیت' خدا کی قسم! وہ بالکل نہیں سمجھتے۔ اگر سمجھیں تو سرگشتہ ہو جائیں۔ لیکن وہ بحرِ ہوا میں کود پڑے۔ پس اسے چیر کر تیرے اور انہوں نے ہر کمزور عقل والے اور خراب ذہن والے کو سنا دیا اور سلف کی مخالفت کی جو اس بارے میں عوام کے ساتھ کلام کرنے سے رک جایا کرتے تھے۔ چنانچہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جب علم توحید میں کلام کیا کرتے' تو نااہل کو نکال دیا کرتے تھے۔ اور سلف رحمھم اللہ تعالیٰ توحید کے بارے میں اہل سنت ہی کے ساتھ کلام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جب علم توحید میں کلام کیا کرتے۔ تو نااہل کو' نکال دیا کرتے تھے۔ اور سلف رحمھم اللہ تعالیٰ نے توحید کے بارے میں اہل

سنت ہی کے ساتھ کلام کیا کرتے تھے۔ کیونکہ اہل تحقیق کا قاعدہ یہی ہے اور نو عمروں کے ساتھ بخل کیا کرتے تھے۔ ان کا قول ہے کہ نوعمر تو ان امور کو چھوٹا خیال کرتے ہیں اور اس راستہ میں مبتدی ہیں۔ اس لئے انہوں نے ان امور کو آزمایا نہیں اور ان میں ان کا قدم راسخ نہیں اگرچہ ہفتاد سالہ ہوں۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ نو عمروں کو اسرار پر آگاہ نہ کرو پیشتر اس کے کہ ان کا اعتقاد پختہ ہو جائے کہ خدا ایک ہے۔ وہ یگانہ بے نیاز اور کیفیت و اینیت سے پاک ہے' افکار اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ اور عقلیں اس کی کیفیت نہیں بتا سکتیں۔

روئے سخن ابن تیمیہ کی طرف

اور یہ فریق تو لوگوں کے ایمان کو کافی نہیں سمجھتا جب تک جہت کا اعتقاد نہ ہو۔ گویا اس نے نبی ﷺ کی یہ صحیح حدیث نہیں سنی "مجھے حکم ملا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں' یہاں تک کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ کہیں۔" کیا وہ اکتفاء نہیں کرتا جس پر اس کے نبی ﷺ نے اکتفاء کیا ہے یہاں تک کہ وہ ایسے سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیتا ہے کہ جس کا کنارہ نہیں' اور ایسے امر کی تفتیش کا حکم دیتا ہے کہ جس شخص کی تفتیش کا حکم رسول اللہ ﷺ نے نہیں دیا اور نہ آپ کے اصحاب میں سے کسی نے دیا۔ کیا اس کے لئے کافی نہیں جو اس کے امام یعنی امام حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت اسی چیز کے ساتھ کرنی چاہیے جس کے ساتھ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی صفت کی ہے یا جس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے اس کی صفت کی ہے۔ ہم قرآن و حدیث سے تجاوز نہیں کرتے اور جانتے ہیں کہ از روئے قرآن و حدیث جس چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ متصف ہے' وہ حق ہے یہ کوئی چیستان نہیں' بلکہ اس کے معنی معروف

ہیں' جیسا کہ متکلم کے کلام سے اس کا مقصود معلوم ہو جاتا ہے' اور وہ باوجود اس کے اپنی ذات و اسماء و صفات میں بے مثل ہے اور اس کے افعال میں کوئی چیز اس کی مثل نہیں۔

پس یہ ضروری امر ہے کہ اللہ سبحانہ کے لئے ذات حقیقیہ اور افعال حقیقیہ ہیں۔ اسی طرح اس کے لئے صفات حقیقیہ ہیں اور اس کی مثل کوئی شے نہیں' نہ ذات میں' نہ صفات میں' نہ افعال میں۔ جو چیز موجب نقص یا صورت ہو اللہ عزوجل حقیقت میں اس سے پاک ہے' کیونکہ وہ ایسے کمال کا مستحق ہے کہ جس کے اوپر کوئی نہایت نہیں اور حدوث اس پر ممتنع ہے کیونکہ عدم اس پر محال ہے اور حدوث سے لازم آتا ہے کہ وہ پہلے معدوم تھا اور محدث محدث کا محتاج ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ بذات خود واجب الوجود ہے۔ یہ اس کے امام کا صریح کلام ہے۔ اس نے اس پر اکتفا کیوں نہ کیا' حالانکہ اس کا امام اس کلام میں جوامع الکلم لایا ہے اور اس بے دین و گمراہ (ابن تیمیہ) کے دعویٰ کی تردید میں امام موصوف نے متکلمین کے دلائل کو نہایت اچھی طرح اور واضح طور پر پیش کیا ہے۔ بایں ہمہ امام موصوف نے وہ حکم نہیں دیا جو اس نے دیا ہے۔

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے امام مالک سے توحید کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ناممکن ہے کہ ہم نبی ﷺ کی نسبت یہ گمان کریں کہ آپ نے اپنی امت کو طریق استنجاء تو سکھا دیا اور توحید کی تعلیم نہ دی حالانکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ مجھے حکم ملا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دیں' الحدیث۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ' نے اس جواب میں بتا دیا کہ توحید میں لوگوں سے مطلوب وہی ہے جس پر یہ

حدیث مشتمل ہے اور یہ نہ بتایا کہ توحید سے یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت علو میں ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے صفات باری تعالیٰ کی نسبت سوال کیا گیا۔ تو فرمایا: کہ عقلوں پر حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تشبیہ دیں اور اوہام پر حرام ہے کہ اس کو محدود کریں اور ظنون پر حرام ہے کہ تقطیع کریں اور نفوس پر حرام ہے کہ فکر کریں اور ضمائر پر حرام ہے کہ اس کی تہ کو پہنچیں اور خواطر پر حرام ہے کہ اس کا احاطہ کریں سوا اس کے جس کے ساتھ اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اپنی صفت کی ہے۔ جو شخص غایت درجہ کی کوشش کرے گا اور فیشن و بحث کرے گا۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین اور صدر اول کی عادت سوا اس کے نہ تھی کہ ان امور میں خوض سے رکتے تھے اور مجالس میں ان کا ذکر نہ کرتے تھے اور عوام سے ان کو بیان نہ کرتے تھے اور منبروں پر ان میں کلام نہ کرتے تھے اور ان سے شعلہ زن آگ کی مثل خواطر نفسانی لوگوں کے دلوں میں نہ ڈالتے تھے۔ اس عادت کا ان کی سیرت سے ہونا بالبداہت ظاہر ہے۔ اسی پر ہم نے اپنے عقیدے کی بنیاد رکھی ہے اور اپنے مذہب کو قائم کیا ہے۔ سلف سے ہماری موافقت اور طریق سلف سے مخالف کی مخالفت تجھے انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ظاہر ہو جائے گی۔

مدعی (ابن تیمیہ) نے اگرچہ اتباع سلف کا دعویٰ کیا ہے' مگر سوائے بدعت کے وہ کسی راہ نہیں چلا۔ اس کا قول ہے کہ سلف نے اس کو ظاہر کر دیا اور یہ بھی کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز حتی کہ سرگین کا حکم بیان فرما دیا۔ کیا یہ ضروری مسئلہ نہیں سکھایا۔ مگر اس کا یہ کھوٹا سکہ پرکھنے والے صراف کے ہاں نہیں چل

سکتا۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ سرگین کی حاجت تو ہر ایک کو ہوتی ہے اور بعض دفعہ دن میں کئی بار ہوتی ہے۔ مگر عوام کو صفات میں خوض کرنے کی کیا حاجت ہے۔ ہاں! توحید میں جس امر کی ضرورت ہے اس کا بیان تو اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ الحدیث میں موجود ہے۔

مزید بریں آنکہ مدعی کا یہ کلام تو اس کی بنیاد کو گراتا اور اس کے ارکان کو سست و کمزور بناتا ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے سرگین کی تعلیم صریح طور پر دی ہے' مگر امت کو یہ تعلیم نہیں دی کہ خدا تعالیٰ اوپر کی طرف ہے۔ استواء میں عرش و سماء کا جو ذکر ہے۔ مدعی نے اپنا مجتیٰ اور اپنے دعویٰ کا نہایت محکم دستہ اس پر رکھا ہے کہ دونوں سے مراد ایک ہی شے ہے اور وہ جہت علو ہے۔ لہٰذا اس مدعی نے جو کچھ کہا ہے نبی ﷺ نے اس کی تعلیم نہیں دی' حالانکہ سرگین کا حکم بتا دیا ہے۔ پس مدعی کے نزدیک عوام کو حدیث جہت کی تعلیم دینا واجب ہے' حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تعلیم نہیں دی۔ رہے ہم' سو ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ایسے مسئلہ میں خوض نہ کیا جائے اور سکوت اختیار کیا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے سکوت فرمایا ہے اور ہمیں وہی کرنا چاہیے جو انہوں نے کہا' اس واسطے ہم میں کوئی ایسا نہ پایا جائے گا جو عوام کو صفات میں کسی طرح کے خوض کا حکم دے۔ مگر مخالفین نے اپنی علاوت کر لی ہے کہ خود صفات میں خوض کرتے ہیں اور دوسروں کو ان میں خوض کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ کاش! میں جانتا کہ سلف سے زیادہ مشابہ کون ہے' وہ یا ہم؟

اہل سنت و جماعت اور مشائخ طریقت کا عقیدہ

لیجئے! اب ہم اہل سنت کا عقیدہ بیان کرتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ

قدیم ازلی ہے' وہ کسی شے کی مثل نہیں' نہ کوئی شے اس کی مثل ہے۔ اس کے لئے نہ جہت ہے' نہ مکان۔ وقت اس کو نہیں گھیرتا اور نہ زمانہ۔ اس کے لئے این (کہاں) نہیں کہا جاتا اور نہ حیث۔ اس کی رویت ہوگی نہ مقابلہ [۴] سے اور نہ مقابلہ پر۔ وہ تھا حالانکہ کوئی مکان نہ تھا' مکان و زمان پیچھے ہوئے۔ وہ اب ایسا ہے جیسا کہ تھا' یہ اہل سنت کا عقیدہ اور مشائخ طریقت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عقیدہ ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس کی نہ شبیہ ہو نہ نظیر۔ وہ اس سے متصل کب ہو سکتا ہے کہ جس کی شبیہ و نظیر ہو۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی سے کہا گیا کہ آپ ہم کو اللہ و عزوجل کی خبر دیں' فرمایا: ایک معبود۔ پھر پوچھا گیا کہ وہ کیسا ہے؟ فرمایا: ملک قادر' دریافت کیا گیا کہ وہ کہاں ہے؟ فرمایا بالمرصاد۔ [۵] سائل نے عرض کیا کہ میں نے آپ سے اس کی نسبت سوال نہیں کیا۔ فرمایا: جو اس کے سوا ہے وہ مخلوق کی صفت ہے' لیکن خدا کی صفت وہی ہے جو میں نے بتا دی۔

ابن شاہین نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے مع کے معنی دریافت کئے۔ آپ نے جواب دیا کہ مع کے دو معنی ہیں۔ پیغمبروں کے ساتھ نصرت و حفاظت کے لحاظ سے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "تحقیق میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔" (طٰہٰ - ع۲) اور عالم کے ساتھ علم اور احاطہ کے لحاظ سے ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "کہیں نہیں ہوتا مشورہ تین کا۔ جہاں وہ نہیں ان میں چوتھا۔" (مجادلہ - ع۲) یہ سن کر ابن شاہین نے کہا: کہ تجھ سے بزرگ کو شایاں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف امت کی رہنمائی کرے۔

حضرت ذوالنون بصری سے اس آیت کے معنی دریافت کئے گئے۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (طٰہٰ - ع۱) فرمایا: اس نے اپنی ذات کو قائم رکھا اور مکان کی نفی کی۔ پس وہ ذات خود موجود ہے اور اشیاء اس کی حکمت سے موجود ہیں جیسا کہ اس نے چاہا'

حضرت شبلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی آیت کی بابت پوچھا گیا۔ فرمایا:

رحمٰن تو ہمیشہ سے ہے۔ عرش مخلوق ہے اور رحمٰن کے ساتھ قائم ہے۔

حضرت جعفر بن نصیر رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی بابت پوچھا گیا' تو فرمایا کہ اسے ہر شیئی کا علم برابر ہے ایک شیئی دوسری شیئی کی نسبت اس سے زیادہ قریب نہیں'

امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے یہ گمان کیا کہ اللہ کسی شے میں ہے یا کسی شے سے ہے یا کسی شے کے اوپر ہے' وہ مشرک ہے۔ کیونکہ اگر وہ کسی شے میں ہو تو محصور ہو گا۔ اگر کسی شے کے اوپر ہو تو محمول ہو گا۔ اگر کسی شے سے ہو تو حادث ہو گا۔

حضرت ابو عثمان مغربی کے خادم محمد بن محبوب کا بیان ہے کہ حضرت ابو عثمان نے ایک روز مجھ سے فرمایا: اے محمد! اگر کوئی تجھ سے پوچھے کہ تیرا معبود کہاں ہے؟ تو کیا جواب دے گا۔ میں نے عرض کیا کہ جہاں وہ رہا ہے' یعنی وہ موجود تھا اور کوئی مکان نہ تھا۔ پس وہ اب ہے جیسا کہ تھا۔ راوی کا قول ہے کہ میرے آقا نے میرے قول کو پسند فرمایا اور اپنی قمیص اتار کر مجھے عطا فرمائی۔

ابو عثمان مغربی کا بیان ہے کہ میں مسئلہ جہت کا کچھ اعتقاد رکھتا تھا۔ جب میں بغداد میں آیا' تو وہ اعتقاد میرے دل سے جاتا رہا اور میں نے مکہ میں اپنے' اصحاب کی طرف لکھا کہ میں از سر نو ایمان لایا ہوں۔ پس ان سب نے جو اس

مسئلہ میں آپ کے تابع تھے رجوع کیا' یہ ہی کلمات پیشوایانِ اہل توحید و جمہور امت (باستثناء اس چھوٹی سی جماعت) اماموں کے ہیں اور ان کی کتابیں اس مضمون سے بھری پڑی ہیں اور اس مفسد جماعت کا رد احاطہ شمار سے خارج ہے۔

اس بیان سے ہماری غرض ان ائمہ اعلام کی تقلید نہیں' کیونکہ اصول دیانات میں تقلید منع ہے' بلکہ میں نے ان کا ذکر صرف اس واسطے کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اہل سنت کا مذہب وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ پھر ہمارا قول ہے کہ آیات صفات و اخبار صفات کو جو شخص سنے' اس کے وظائف یہ ہیں۔ تقدیس و تنزیہ اور ایمان لانا اس پر جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آیا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مراد ہے' اور دل سے سچ جاننا اور عجز کا اعتراف کرنا اور سکوت اختیار کرنا اور الفاظ واردہ میں تصرف سے باز رہنا اور باطن کو اس میں فکر کرنے سے روکنا اور اعتقاد رکھنا کہ ان میں سے جو اس پر پوشیدہ ہے' وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ پر پوشیدہ نہیں ہے' ان وظائف کی تشریح عنقریب آئے گی۔

کاش! میں جانتا کہ ہم کس قول میں سلف کے مخالف ہیں۔ کیا اس قول میں کہ خدا تھا اور کوئی مکان نہ تھا۔ یا اس قول میں کہ اس نے مکان کو پیدا کیا' یا اس قول میں کہ وہ اب جیسا کہ تھا' یا اس قول میں کہ حق تعالیٰ جسمیت و مشابہت جسمیت سے پاک ہے۔ یا اس قول میں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کی تصدیق واجب ہے' اس معنی میں جو ان کی مراد ہے۔ یا اس قول میں کہ یہاں عجز کا اعتراف واجب ہے' یا اس قول میں کہ مالایطاق میں سوال و خوض کرنے سے ہمیں خاموش رہنا چاہیے۔ یا اس قول میں

کہ ظواہر کی زیارت یا نقصان کے ساتھ بدل دینے سے زبان کو روک رکھیں۔

کاش! میں جانتا کہ کس بات میں سلف کے موافق ہیں۔ کیا اس بات میں کہ وہ اس میں خوض کرنے کی طرف بلاتے ہیں اور ایسے بیوقوف تو عمروں اور نالائق عوام کے ساتھ بحث کی ترغیب دیتے ہیں جو نجاست کی جگہ دھونے اور نماز قائم کرنے سے عاجز ہیں' یا کیا وہ باری تعالیٰ کو جہت سے پاک سمجھنے میں سلف کے موافق ہیں؟ کیا انہوں نے کتاب اللہ میں یا سلف سے منقول علم میں یہ سنا ہے کہ انہوں نے جہت علو کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت کی ہے اور جو شخص جہت کے ساتھ اس کی صفت نہ کرے' وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا اور فلاسفہ و یہود و یونان کے بچوں سے ہے۔ دیکھو! وہ اللہ پر جھوٹ تھوپتے ہیں اور یہ کھلا گناہ ہے۔

ابن تیمیہ کے دعویٰ کی تردید

اب ہم مخالف (ابن تیمیہ) کے قول کا ابطال شروع کرتے ہیں' پھر اس کے بعد ہم جہت و تشبیہ اور اس کے تمام مدعا کی نفی پر حجت قائم کریں گے اور مدد اللہ سے ہے۔ سو میں کہتا ہو کہ اس نے پہلے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کا قول وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مہاجرین و انصار میں سے سابقون اولون نے فرمایا ہے۔ باوجود اس کے کہا اس نے وہ جو نہیں فرمایا اللہ نے اور نہ اس کے رسول ﷺ نے اور نہ مہاجرین و انصار میں سے سابقون اولون نے۔ کتاب و سنت کی جو اس نے مخالفت کی ہے' اسے ہم آگے بیان کریں گے۔ رہے سابقون اولون' سو ان کا ذکر ڈرانے کے لئے کیا گیا ہے' ورنہ اس نے ان کے اقوال میں سے ایک کلمہ بھی نہ نفی میں' نہ اثبات میں نقل کیا ہے۔ جب تو اس کے کلام پر نظر ڈالے گا۔ تجھے یہ بات معلوم ہو جائے گی۔ بار خدایا! مگر یہ کہ سابقون اولون

سے اس کی مراد اسی کے عقیدہ کے مشائخ ہوں نہ کہ صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم۔
اس دعویٰ کے بعد اس نے آنحضرت ﷺ کی مدح کی ہے اور آپ کے دین کی تعریف کی ہے اور بتایا ہے کہ آپ کے اصحاب آپ کے دین کے سب سے زیادہ عالم تھے۔ حقیقت بھی یونہی ہے جیسا کہ اس نے کہا ہے اور اس سے بھی زیادہ ہے۔ تعریفیں حضرت کے مناقب کا احاطہ کس طرح کر سکتی ہیں؟ مگر اس کا کلام ایسا ہے کہ جب کہ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"کلمة(٦) حق ارید بها الباطل"

اس کے بعد مدعی نے ائمہ اور پیشوایان امت کی خدمت شروع کر دی ہے کہ انہوں نے باری تعالیٰ سبحانہ کے ادراک سے عجز کا اعتراف کیا ہے۔ حالانکہ حضور سید الرسل ﷺ نے فرمایا ہے۔ "پس تیری ثناء کا ضبط نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ تو نے آپ اپنی ذات کی ثناء کی ہے۔" اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ "ادراک کے حاصل کرنے سے عجز ادراک ہے۔" مگر مدعی معرفت کے دعویٰ پر دلیر ہے اور اس دعویٰ پر کہ ابن الحیض نے قدیم کو جیسا کہ وہ ہے' پہچان لیا ہے۔ مدعی کے اس غرور و جہالت سے بڑھ کر اور کیا ہو گا۔ ہم خذلان سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اس کے بعد مدعی جمہور امت محمد ﷺ کے مذہب کی نسبت کہتا ہے کہ یہ تو فلاسفہ کے بچوں اور یونان و یہود کے چیلوں کا مذہب ہے۔ "اب لکھ رکھیں گے ان کی گواہی اور ان سے پوچھ ہو گی۔" (زخرف۔ ع ۲)۔ پھر اس نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت اول سے آخر تک اور صحابہ و تابعین کا عام کلام اور تمام اماموں کا کلام اس سے بھرا پڑا ہے جو نص ہے یا

ظاہر ہے اس امر پر کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کے اوپر اور ہر شے پر اور عرش کے اوپر اور آسمان کے اوپر ہے۔ مدعی نے اثناء کلام اور آخر کلام میں کہہ دیا ہے کہ خدا عرش کے اوپر حقیقت میں ہے اور دوسری جگہ اسی بات کو سلف سے منقول بتایا ہے۔

کاش! میں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کہاں ہے جس صورت سے اس نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے۔ اس نے جو کچھ کہا' کیا اس میں سے ایک کلمہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے تاکہ وہ کہہ سکے کہ وہ اس امر میں نص ہے۔ نص اسے کہتے ہیں' جس میں تاویل کا ہرگز احتمال نہ ہو اور یہی اس کی مراد ہے۔ کیونکہ' اس نے نص کو ظاہر کا غیر بتایا ہے' اور اسی واسطے ظاہر کا عطف نص پر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کونسی آیت اس اعتبار سے نص ہے؟

آیات سے استدلال کا جواب

پہلی آیت جس سے مدعی نے استدلال کیا ہے' یہ ہے۔ **وَاِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ** (فاطر۔ ع ۲) "اور اس کی طرف چڑھتا ہے۔ کلام ستھرا۔" کاش! میں جانتا کہ اس آیت میں کونسی نص یا ظاہر اس امر پر ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے یا عرش کے اوپر ہے۔ اس کی بڑی سے بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ قول علو پر دلالت کرتا ہے جو صعود سے سمجھا جاتا ہے۔ مگر افسوس اس خر علم کا پاؤں کیچڑ میں پھسل گیا۔ کیونکہ صعود اس کلام میں حقیقت کس طرح ہو سکتا ہے؟ باوجودیکہ حقائق میں مفہوم یہ ہے کہ صعود اجسام کی صفتوں میں سے ہے۔ پس اس سے بجز قبول کوئی اور مراد نہیں ہو سکتی اور باوجود اس کے نہ حد ہے نہ مکان

ہے۔

اس کے بعد مدعی نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول پیش کیا ہے۔ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ (آل عمران ۔ ع۶) "تحقیق میں تجھ کو بھر لینے والا اور تجھ کو اٹھانے والا ہوں اپنی طرف۔" میں نہیں جانتا کہ اس نے اس آیت سے کس طرح یہ بات نکالی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے۔ کیا یہ استنباط دلالت (۷) مطابقی سے ہے یا دلالت تضمنی سے یا دلالت التزامی سے ہے' یا بطریق کشف والہام ہے۔ شاید! اسے یقین ہے کہ رفع صرف جہت علو میں ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہی ہو جیسا کہ اس کے ذہن میں آیا ہے۔ تو یہ بھی صرف جسمیت و حدیت میں معقول ہے' مگر وہ ہر دو کا قائل نہیں۔ لہٰذا یہ حقیقت نہیں اس میں جس کے ساتھ اس نے استدلال کیا ہے۔ اگر وہ ہر دو کا قائل ہو۔ تو مغالطہ کی حاجت نہیں۔ شاید اس نے رفع کا استعمال مرتبہ میں اور تقرب کا استعمال منزلت میں نہیں سنا' حالانکہ یہ محاورہ عرب و عرف ہے اور نہ اس نے یہ سنا ہے۔ فلان رفع اللّٰہ شانہ (اللہ نے فلاں شخص کی شان بلند کر دی۔)

پھر اس نے یہ آیت پیش کی ہے۔ ءَ اَمِنْتُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ۔ (ملک ۔ ع ۳) "کیا نڈر ہوئے تم اس سے جو آسمان میں ہے کہ دھنساوے تم کو زمین میں۔" یہ اس آیت سے استدلال کرنے والے نے کلمہ من کو اللہ تعالیٰ سے خاص کر دیا ہے۔ شاید اس کے نزدیک جائز نہیں کہ یہاں مَنْ (۸) سے مراد اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہوں اور شاید وہ قائل ہے کہ فرشتے ایسا نہیں کر سکتے۔ اور نہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اہل معدوم کو زمین میں دھنسایا۔ اسی واسطے اس نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ شاید

یہی نص ہے۔ جس کی طرف اس نے اشارہ کیا ہے۔

اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ (معارج - ع ۱) "چڑھتے ہیں فرشتے اور روح اس کی طرف۔" عروج و صعود کے ایک ہی معنی ہیں۔ اس آیت (۹) میں کسی طرح کی کوئی دلالت نہیں کہ عروج آسمان کی طرف ہے اور نہ اس پر دلالت ہے کہ عرش کی طرف ہے' یا ان چیزوں میں سے کسی کی طرف ہے جن کا اس نے دعویٰ کیا ہے۔ کیونکہ حقیقت عروج لغت عرب میں اجسام کے حق میں بمعنی انتقال ہے' اس لئے کہ عرب کے ہاں یہی معنی معروف ہیں۔ کاش! وہ اسے ظاہر کر دیتا ہے اور چھپانے کے الزام سے آرام پاتا۔

اس کے بعد یہ آیت پیش کی گئی ہے۔ یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ (نحل - ع۶) "ڈر رکھتے ہیں اپنے رب کا اپنے اوپر سے۔" اس آیت میں بھی کوئی دلالت نہیں۔ نہ آسمان پر نہ عرش پر اور نہ اس پر کہ وہ ان میں سے کسی میں حقیقت ہے۔ فوقیت دو معنوں میں مستعمل ہے۔ ایک تو یہ کہ ایک جسم کی نسبت دوسرے جسم کی طرف بدیں طور کہ ایک اعلیٰ اور دوسرا اسفل ہو' اس طرح کہ اعلیٰ کا اسفل اسفل کے سر کی طرف سے ہو' جو شخص اللہ تعالیٰ کو جسم نہیں سمجھتا۔ وہ ایسی فوقیت کا قائل نہیں۔ اگر یہی مراد ہوا اور خدا جسم نہ ہو' تو یہ کیوں جائز نہیں کہ مِنْ (۱۰) فَوْقِهِمْ صلہ هو یخافون ما اور تقدیر کلام یوں ہو۔ یَخَافُوْنَ مِنْ فَوْقِهِمْ رَبَّهُمْ۔ یعنی خوف اوپر کی طرف سے ہو اور عذاب اسی طرف سے آئے۔ فوقیت کے دوسرے معنی مرتبہ کے ہیں۔ چنانچہ کہا کرتے ہیں۔ الخلیفة فوق السلطان والسلطان فوق الامیر۔ اسی طرح

کہا جاتا ہے۔ جلس فلان فوق فلان۔ والعلم فوق العمل۔ والصباغة فوق الدباغة۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کے اس قول میں آیا ہے۔ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (زخرف ۔ ع ۳) "اور اونچے کئے ہم نے ان کے درجے ایک کے اوپر دوسرے کے۔" حالانکہ ایک دوسرے کے کندھوں پر نہیں چڑھا۔ اس معنی میں اس آیت میں ہے۔ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُوْنَ (اعراف ۔ ع ۱۵) "اور ہم ان کے اوپر زبردست ہیں۔" حالانکہ قبطی بنی اسرائیل کے کندھوں پر سوار نہیں ہوئے اور نہ ان کی پیٹھوں پر چڑھے۔

پھر مدعی اللہ تعالیٰ کا یہ قول لایا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰهٰ ۔ ع ۱) یہ قول قرآن کریم میں چھ جگہ آیا ہے۔ مشبہہ و مجسمہ کا اسی آیت پر سہارا ہے اور اسی پر ان کا نہایت قوی اعتماد ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس کو ہمدان کی جامع مسجد کے دروازے پر لکھ دیا ہے۔ پس ہم اس کے واضح کرنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور گزارش کرتے ہیں کہ اگر وہ عقل کو ہر وجہ و سبب سے معزول کر دیں اور اس چیز کی طرف التفات نہ کریں جسے فہم و ادراک کہا جاتا ہے۔ تو ان کے اس فعل پر مرحبا ہے اور ہم بھی کہتے ہیں۔ "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" ۔ اگر وہ اس سے تجاوز کریں اور کہیں کہ یہ قول الٰہی دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی [11] ہے۔ تو ہم مرحبا نہیں کہتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں فرمایا: باوجودیکہ علماء اس پر متفق ہیں کہ اسم فاعل میں ایسا ثبوت ہوتا ہے جو فعل سے نہیں سمجھا جاتا اور اگر وہ کہیں کہ یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے تو جس امر کا انہوں نے التزام کیا تھا اسے انہوں نے چھوڑ دیا اور تناقض و جرأت میں مبالغہ

کیا۔ اگر وہ کہیں کہ نہیں۔ ہم تو عقل کو برقرار رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں جو اس سے مراد ہے۔ تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کلام عرب میں استواء کے کیا معنی ہیں۔ اگر وہ جلوس و استقراء بتائیں تو ہم کہیں گے کہ یہ معنی عرب کے ہاں صرف جسم کے لئے معروف ہیں۔ چنانچہ وہ کہا کرتے ہیں۔ اِسْتَوٰی جِسْمٌ عَلَی الْعَرْشِ۔ (جسم تخت پر بیٹھا) اور اگر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف جلوس و استقرار کی نسبت ایسی ہے جیسا کہ جلوس کی نسبت جسم کی طرف ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ عرب کے ہاں یہ معروف نہیں' تاکہ یہ حقیقت ہو۔ ہاں عرب تیر کا استواء (سیدھا ہونا) سمجھتے ہیں جو اعوجاج (ٹیڑھا ہونا) کی ضد ہے اور اس کے ساتھ تیر کی صفت کیا کرتے ہیں اور باوجود اس کے تجسیم سے بیزار ہیں اور غیر جلوس پر عمل کرنے کا دروازہ بند کرتے ہیں۔ مگر سدباب نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَاکُنْتُمْ (حدید۔ ع۱) اور اس قول میں وَنَحْنُ (۱۲) اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ (ق۔ ع۲) اور تم ان کے ساتھ نہ کہو کہ وہ بلحاظ علم ایسا ہے۔ اگر تم نے یوں کہہ دیا۔ تو تم کس واسطے اس کو حلال کرتے ہو دوسرے سال' اور تمہارے پاس کونسی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے ایک فعل استواء عرش میں نہیں ہے۔ اگر وہ کہیں کہ یہ عرب کا کلام نہیں تو ہم جواب دیں گے کہ عرب کے ہاں استواء بلا جسم اس معنی میں معروف نہیں جو تم کہتے ہو۔

مدعی نے تجسیم کے شرک سے یہ زعم کرکے گریز کرنا چاہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک جہت میں ہے اور عرش پر اس کا استواء ایسا ہے جو اس کے جلال کے شایاں ہے۔ ہم اس سے کہتے ہیں کہ اب تو استواء میں ہمارے قول کی طرف آگیا

ہے۔ رہا جہت' سو جہت اس کے جلال کے شایاں نہیں۔ مدعی نے متکلمین کے اس قول پر گرفت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر ایک جہت میں ہو۔ تو وہ اس سے اکبر ہو گا یا اصغر یا مساوی اور یہ سب محال ہیں اور اس کے جواب میں کہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قول عَلَى الْعَرْشِ سے نہیں سمجھے مگر وہ جو ثابت کرتے ہیں ایک جسم کے لئے جو دوسرے جسم پر ہو اور یہ لازم تابع ہے اس مفہوم کے' لیکن استواء جو شایان جلال الٰہی ہو اس کو ان لوازم میں سے کوئی شے لازم نہیں آتی۔ ہم اس سے کہتے ہیں کہ تم کبھی تمیمی بنتے ہو اور کبھی قیسی۔ جب تم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسا استواء ہے جو اس کے جلال کے شایاں ہے' یہ تو متکلمین کا مذہب ہے۔ اور جب تم نے کہا کہ استواء کے معنی استقرار اور ایک معین جہت سے اختصاص ہے تو تمہارا یہ قول تردید مذکور سے سالم نہ رہے گا۔

استواء استیلاء کے معنی میں ہے۔ میں اللہ کے آگے اس آیت کی نسبت شہادت دیتا ہوں کہ یہ ہرگز وارد نہیں ہوئی مگر اللہ کی عظمت و قدرت و بادشاہت کے ظاہر کرنے کے لئے' عرب اس کے ساتھ ملک و بادشاہی سے کنایہ کیا کرتے ہیں' چنانچہ کہا کرتے ہیں۔ فُلَانٌ اِسْتَوٰى عَلٰى كُرْسِيِّ الْمَمْلِكَةِ (فلاں تخت سلطنت پر بیٹھا۔) اگرچہ وہ ایک دفعہ بھی تخت پر نہ بیٹھا ہو اور اس سے بادشاہت مراد لیا کرتے ہیں۔ رہا مخالفین کا قول کہ اگر تم نے استواء کے معنی استیلاء لئے۔ تو عرش کا ذکر بے فائدہ ہے۔ کیونکہ ایسا استیلاء تو تمام مخلوقات کی نسبت ہے۔ عرش سے خاص نہیں' سو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ عرش تمام موجودات کو گھیرے ہوئے ہے' اس لئے اس پر استیلاء تمام پر استیلاء ہے اور غیر عرش ایسا نہیں۔ نیز عرب کا کنایہ سابقہ اس کو ترجیح دیتا ہے' استواء کے معنی میں'

سلف یعنی امام جعفر صادق وغیرہ کا کلام پہلے آچکا ہے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ استواء بمعنی استیلاء صرف اجسام میں ہوتا ہے۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ استواء بمعنی جلوس بھی جسم میں ہوتا ہے اور تم نے کہہ دیا کہ ہم اس کے قائل نہیں۔

مدعی نے دلیل میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول فرعون سے بطور حکایت پیش کیا ہے۔ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا[14] (مومن۔ ع ۴) "اے ہامان! بنا میرے واسطے ایک محل' شاید میں پہنچوں رستوں میں' رستوں میں آسمان کے۔ پھر جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے معبود کو اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے۔"

کاش! میں جانتا کہ وہ فرعون کے کلام سے کس طرح سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر اور عرش کے اوپر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معبود کو جھانک دیکھنا یا تو اس طرح ہے کہ وہ معبود آسمانوں میں ہو۔ مگر اس کا اس نے ذکر نہیں کیا اور اگر وہ فرعون کے کلام سے یہ سمجھا ہے' تو وہ فرعون کے اٹکل اور فہم سے کس طرح۔ استدلال کر سکتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو فرعون کی نسبت خبر دے رہا ہے۔ کہ اس کے برے اس کو اچھے دکھائے گئے تھے' اور وہ اللہ عزوجل کی راہ سے روکا گیا تھا' اور اس کا داؤ ہلاک و زیان میں تھا۔ مزید بریں آنکہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یوں سوال کیا وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (شعراء۔ ع ۲) "اور کیا ہے پروردگار عالموں کا۔" تو حضرت نے جواب میں جہت کا ذکر نہ کیا' بلکہ اخص الصفات یعنی قدرت علی الاختراع کا ذکر کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے جہت ثابت ہوتی' تو اس کے ساتھ تعریف اولیٰ تھی' کیونکہ اشارہ حسیہ

حس و عرف کے لحاظ سے اقوی المعرفات ہے اور فرعون نے لفظ ما کے ساتھ سوال کیا تھا۔ پس اس کا جواب صفت کی نسبت تمیز کے ساتھ اولیٰ تھا' مدعی جو کچھ اس آیت سے سمجھا اور جس کے ساتھ اس نے استدلال کیا اس کی غایت فرعون کی سمجھ ہے' پس اس عقیدہ کا سارا فرعون کی اٹکل ہے' جس کی تائید کرنے والا یہ مدعی ہے۔ کاش! میں جانتا کہ اس نے فرعون کی طرف اس عقیدے کی نسبت کا ذکر کیوں نہیں کیا' جیسا کہ اس نے ذکر کر دیا۔ کہ امت محمد ﷺ کے سادات کا عقیدہ جنہوں نے مسئلہ تمیز و جہت میں اس کی مخالفت کی اور جن کو اس نے جہمیہ کے ساتھ ملا دیا لبید بن اعصم یہودی سے لیا گیا ہے۔ جس نے نبی ﷺ کو جادو کر دیا تھا۔

مدعی نے آیات کریمہ کو جن سے اس نے استدلال کیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول پر ختم کیا ہے۔ تَنْزِيْلٌ (۱۴) مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (حم سجدہ ۔ ع ۵) وَالَّذِيْنَ (۱۵) اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ۔ (انعام ۔ ع ۱۴) حالانکہ ان دو آیتوں میں نہ عرش کا ذکر ہے' نہ کرسی کا' نہ آسمان اور نہ زمین کا۔ بلکہ صرف تنزیل کا ذکر ہے۔ میں نہیں جانتا کہ دلالت کی کس قسم سے مدعی نے یہ استنباط کیا' کیونکہ تنزیل سے آسمان نہیں سمجھا جاتا۔ اس لئے کہ تنزیل کبھی آسمان سے ہوتی ہے' کبھی غیر آسمان سے اور نہ تنزیل قرآن سے سمجھا جاتا ہے۔ اس سے نزول کس طرح سمجھا جائے جو اوپر سے نیچے کی طرف انتقال کا نام ہے۔ کیونکہ عرب کلام میں یہ نہیں سمجھتے' خواہ وہ کلام غرض سے ہو یا غیر غرض سے ہو۔ عرب جس طرح نزول کا اطلاق انتقال پر کرتے ہیں' غیر انتقال پر بھی اس کا اطلاق کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ

فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ ۔ (حدید ۔ ع ۳) "اور ہم نے اتارا لوہا' اس میں سخت لڑائی ہے۔" وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ (زمر ۔ ع ۱) "اور اتارے تمہارے واسطے چوپاؤں سے آٹھ نر مادہ۔" حالانکہ کسی نے لوہے کا ٹکڑا کرہ ہوائی میں آسمان سے اترتا نہیں دیکھا اور نہ اونٹ آسمان سے زمین کی طرف اترتا دیکھا ہے۔ جس طرح ہم نے یہاں جائز رکھا کہ نزول اوپر سے نیچے کی طرف انتقال کا غیر ہے' اسی طرح وہاں بھی ہم کو جائز سمجھنا چاہیے۔ قرآن مجید کی یہی آیتیں ہیں جن سے اس نے استدلال کیا ہے۔ پہلے اس نے دعویٰ کیا ہے کہ میں وہی کہوں گا جو اللہ نے کہا ہے اور آیات مذکورہ بالا کو بطور نص یا ظاہر اپنے دعویٰ کی دلیل بتایا۔ مگر جب تم اس کے دعویٰ کو دیکھو گے اور ہمارے جواب میں بغور نظر ڈالو گے اور ان آیتوں کی بہت دیکھ بھال کرو گے۔ تو ان میں تم کو ایک کلمہ بھی بصورت نص یا ظاہر اس کے دعوے کے موافق ہرگز نہ ملے گا' کتاب اللہ کے بعد ہر امر اور اس کا دعویٰ بے سود ہے۔

احادیث سے استدلال کا جواب

آیات قرآن کے مدعی نے احادیث میں سے حدیث معراج کے ساتھ استدلال کیا ہے' حالانکہ اس حدیث میں یہ نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ حقیقت میں آسمان یا عرش کے اوپر ہے اور نہ اس میں اس قسم کا کوئی کلمہ ہے۔ اس نے حدیث معراج کو نقل نہیں کیا اور نہ وجہ دلالت بتائی ہے' تاکہ اس کا جواب دیں۔ اگر وہ وجہ دلالت بیان کر دیتا تو ہم اس کا جواب دیتے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے پاس (عند) کے فرشتوں کے اترنے کے ساتھ استدلال کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کا آسمان سے اترنا صرف اس واسطے ہے کہ آسمان ان کے رہنے کی جگہ ہے۔ عندیت اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ اللہ آسمان میں ہے' کیونکہ پیغمبروں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے پاس (عند) سے ہیں' اگرچہ وہ آسمان سے نہیں اترتے' علاوہ ازیں عندیت سے بعض وقت شرف و رتبہ مراد ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاَنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ (ص۔ ع ۲) "اور اس کو ہمارے پاس رتبہ ہے اور اچھا ٹھکانا۔" اور غیر رتبہ و شرف میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اپنے پروردگار عزوجل سے بطور حکایت فرماتے ہیں۔ اِنَّا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ "میں ہوں پاس اس ظن کے جو میرے بندے کو میری نسبت ہے۔" عروج ملائکہ کو بھی بطور دلیل پیش کیا گیا ہے۔ اس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

مدعی کبھی الفاظ اِلٰی رَبِّهِمْ کو اپنی پشت پناہ بناتا ہے اور کہتا ہے کہ کلمہ الیٰ انتہاء غایت کے لئے ہے اور قطع مسافت میں آتا ہے۔ جب وہ اتنا کہہ کر چپ ہو گیا' تو وہ کلام عرب نہیں بولا۔ کیونکہ مسافت سے عرب وہی سمجھتے ہیں جس میں

اجسام ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں۔ مگر وہ قائل ہے کہ عرب ایسا نہیں کہتے۔ حالانکہ حضرت خلیل علیہ السلام فرماتے ہیں۔ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ (صافات ۔ ع ۳) "میں جانے والا ہوں اپنے رب کی طرف۔" یہاں بالاتفاق وہ انتہاء مراد نہیں جو مدعی کا مقصود ہے۔ پس مدعی نے کتاب اللہ میں اس پر جرائت نہیں کی اور خبر واحد میں اس کے ساتھ جواب نہیں دیا جا سکتا۔

مدعی نے آنحضرت ﷺ کا یہ قول ذکر کیا ہے۔ الا [۱۶] تَامَنُوْنِیْ وَاَنَا اَمِیْنٌ مَنْ فِی السَّمَاءِ صَبَاحًا وَمَسَاءً۔ یہاں من سے مراد اللہ تعالیٰ نہیں اور نہ نبی کریم ﷺ نے اس کا ذکر کیا ہے اور نہ اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا ہے۔ مدعی کے پاس کیا دلیل ہے کہ یہاں من سے مراد فرشتے نہیں۔ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم رکھنے کے لحاظ سے اکبر المخلوقات ہیں اور قرب پر اطلاع کے لحاظ سے اشرف المخلوقات ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ امین ہیں اور آپ ان کے نزدیک اس رتبہ میں ہیں۔ مدعی کو معلوم رہے کہ حدیث میں کوئی ایسا امر نہیں جو اس کی نفی کرتا ہو' اور نہ کوئی ایسا امر ہے جو اس کے دعوے کو ثابت کرتا ہے۔

اس کے بعد مدعی نے یہ حدیث رقیہ ذکر کی ہے۔

ربنا [۱۷] اللّٰہ الذی فی السماء تقدس اسمک امرک فی السماء والارض کما رحمتک فی السماء الحدیث۔ بر تقریر ثبوت حدیث آنحضرت ﷺ نے اس میں فی السماء پر سکوت نہیں فرمایا' پس ہم اس پر کیوں وقف کریں؟ اور تقدس اسمک کو کلام مستانف قرار دیں۔ کیا رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا ہے یا ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟ اس صورت میں مدعی

کو چارہ نہ ہو گا۔ بجز اس کے کہ کہے' اللہ کا اسم تو آسمان و زمین میں پاک ہے۔ پھر آسمان کا ذکر خصوصیت سے کیوں وارد ہے۔ ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ تقدس کے کیا معنی ہیں؟ اگر اس سے مراد تنزیہ من حیث ھو تنزیہ ہے۔ تو یہ نہ آسمان میں ہے نہ زمین میں۔ کیونکہ تنزیہ کے معنی نقائص کی نفی ہے اور اس کا تعلق نہ آسمان سے ہے' نہ زمین سے' پس مراد یہ ہے کہ مخلوقات اس کو پاک کہتی ہے اور اس تنزیہ کے ساتھ پہچانتی ہے' اس میں شک نہیں کہ آسمان والے اس کی تنزیہ پر متفق ہیں۔ اسی طرح اس میں بھی شک نہیں کہ اہل زمین میں سے بعض اسے پاک نہیں جانتے' اور اس کی تمثیل ٹھہراتے ہیں اور اس کی صفت ایسے وصف کے ساتھ کرتے ہیں جو اس کے جلال کے شایان نہیں۔ پس ذکر تقدیس کے ساتھ آسمان کی تخصیص اس واسطے ہے کہ اہل آسمان اس کی تنزیہ پر متفق ہونے میں یگانہ ہیں۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ نے اپنی ذات پاک کو مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنَ کے ساتھ خاص کیا ہے' کیونکہ قیامت کے دن مدعیان ملک کو ملک کا دعوے نہ رہے گا اور جیسا کہ قیامت کو جب کہ والیان روئے زمین کی بادشاہت نہ رہے گی' ندا آئے گی۔ لمن الملک الیوم "آج ملک کس کا ہے؟" پھر خود ہی جواب دے گا۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (مومن۔ ع ۲) مدعی نے اس حدیث کو اول سے کئی بار دہرایا ہے' یہاں تک کہ کہا ہے کہ یوں کہنا چاہیے۔ رَبُّنَا الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ۔ اس نے فِی السَّمَآءِ پر وقف کیا ہے۔ کاش! میں جانتا کہ کیا علماء میں سے کسی نے اس طرح وقف کیا ہے۔ یہ محض ایہام ہے' کہ سید المرسلین ﷺ نے یوں فرمایا۔ رَبُّنَا اللّٰهُ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ۔

رہا حدیث اوعال [۱۸] اور جو اس میں وارد ہے کہ عرش سب سے اوپر ہے

اور اللہ اس سب سے اوپر ہے۔ سو گزارش ہے کہ مشبہ اکثر اس حدیث سے عوام کو شک میں ڈالتے ہیں کہ وہ اس کے قائل ہیں اور اس کے ساتھ اپنے ملمع اباطیل کو رواج دیتے ہیں۔ اور اپنے دعاوی میں سے کسی دعوی کو اس حدیث کے ساتھ زینت دیئے بغیر نہیں چھوڑتے، ہم بیان کرتے ہیں کہ وہ اس کے ایک حرف کے بھی قائل نہیں اور نہ ان کا قدم اس امر پر ٹھہرا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ حقیقت میں عرش کے اوپر ہے۔ بلکہ انہوں نے اس دعوے کو توڑ ڈالا ہے۔ اس کی توضیح اس عبارت کے پہلے لانے سے ہوتی ہے جو مدعی اخیر میں لایا ہے۔ چنانچہ اس کا آخر کلام اس طرح ہے۔ "کوئی گمان کرنے والا گمان نہ کرے یہ مخالف ہے۔" ظاہر قول خدا "وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ" کے اور مخالف ہے اس قول نبی ﷺ کے "اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ اِلَى الصَّلَاةِ فَاِنَّ اللّٰهَ قَبْلَ وَجْهِهٖ" وغیرہ کے۔ کیونکہ یہ غلط ظاہر ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ حقیقت میں ہمارے ساتھ ہے اور حقیقت میں عرش کے اوپر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دو امر کو اپنے قول ذیل میں جمع کر دیا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ (حدید۔ ع ۱)

"وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں۔ پھر غالب ہوا عرش پر، جانتا ہے جو داخل ہوتا ہے زمین میں اور جو اس سے نکلتا ہے۔ جو اترتا ہے آسمان سے اور جو اس میں چڑھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ

ہے جہاں کہیں تم ہو اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔"

(اسی مدعی نے منہ پھاڑ کر بغیر چھپانے اور بغیر تامل و توقف کے یہ کہہ دیا ہے۔) پس اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی ہے کہ وہ عرش کے اوپر ہے اور ہر شے جانتا ہے اور وہ ہمارے ساتھ ہے جہاں کہیں ہم ہوں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث اوعال میں فرما دیا کہ اللہ عرش کے اوپر ہے اور وہ جانتا ہے جو تمہارا حال ہے (پس اب تم سمجھ گئے کہ اس مدعی کا یہ دعوے ہے کہ اللہ حقیقت میں عرش کے اوپر ہے۔ اس نے آیہ "ثم استویٰ علی العرش" سے استدلال کیا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر قرار دیا ہے۔ ہر ایک صاحب ذہن درست و فکر مستقیم کو معلوم ہے کہ استوی علی العرش صرف مترادف ہے فوق العرش حقیقه کا۔ جس پر ہماری طرف سے بحث پہلے آچکی ہے اور نہ آیت میں کوئی ایسا امر ہے جو جمع پر دلالت کرتا ہو جس کا مدعی نے دعوے کیا ہے اور نہ اس نے استدلال میں تقریب[19] کو ملحوظ رکھا ہے' بلکہ کتاب اللہ میں سے ایک آیت پیش کی ہے' جو معلوم نہیں اسے حفظ و یاد تھی یا قرآن شریف میں دیکھ کر نقل کر دی ہے۔ پھر اس آیت کو جمع پر دلالت کرنے میں حدیث اوعال کے مشابہ بتایا ہے کہ جیسا رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا کہ اللہ عرش کے اوپر ہے' حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو معیت پر دلالت کرتا ہو۔ بلکہ کلمہ مع کو حدیث میں کوئی دخل نہیں) اور یہ اس طرح ہے کہ کلمہ مع کو جب مطلق بغیر تقیید کے لایا جائے۔ تو اس کا ظاہر لغت میں صرف مقارنت مطلقہ ہے اور دائیں یا بائیں سے مماست یا محاذات کا ہونا واجب نہیں۔ پس جب معانی میں سے کسی معنی کے ساتھ اس کی تقیید کی جائے۔ تو اس معنی کے ساتھ

مقاربت پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔ مَازِلْنَا نَسِیْرُ وَالْقَمَرُ مَعَنَا وَالنَّجْمُ مَعَنَا "ہم چلتے رہے اور چاند ہمارے ساتھ تھا اور ستارہ ہمارے ساتھ تھا۔" ھٰذَا الْمَتَاعُ مَعَنَا۔ (یہ پونجی ہمارے ساتھ ہے۔) یہاں پونجی تیرے ساتھ جمع ہونے کے سبب سے تیرے ساتھ ہے' خواہ وہ تیرے سر کے اوپر ہو۔ پس اللہ تعالیٰ حقیقت میں اپنی مخلوق کے ساتھ ہے۔ پھر اس معیت کے احکام بحسب موارد و مختلف ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْھَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْھَا وَھُوَ مَعَکُمْ اِیْنَمَا کُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔

اس خطاب کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس معیت کا حکم اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ وہ تم پر آگاہ ہے۔ تمہیں جانتا ہے۔ یہی معنی ہیں سلف کے اس قول کے کہ وہ بلحاظ علم ہمارے ساتھ ہے اور یہی ظاہر خطاب اور حقیقت خطاب ہے۔ اسی طرح ان آیات میں ہے۔ مَایَکُوْنُ مِنْ نَجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّاھُوَ رَابِعُھُمْ الآیہ (مجادلہ ۔ ع۱) لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ۔ ع۶) اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقُوْا وَالَّذِیْنَ ھُمْ مُحْسِنُوْنَ۔ (نحل ۔ آخیر آیت) اِنَّنِیْ مَعَکُمَا اَسْمَعُ وَاَرٰی (طٰهٰ۔ ع ۳) اور بچہ کا باپ جو چھت پر ہو' کہتا ہے۔ لَاتَخَفْ اِنَّا مَعَكَ یہاں تنبیہہ ہے اس پر کہ معیت حکم حال کی موجب ہے (ناظرین اس مثل میں مدعی کے ادب اور اپنے مقاصد کے بار آور بنانے میں اس کے حسن الفاظ پر غور فرمائیں۔) ففرق بین المعیة وبین مقتضاھا المفھوم من معناھا الذی یختلف باختلاف المواضع۔

"ناظرین! اس عبارت کو سمجھیں جو نہ عربیت ہے نہ جمیت۔ پاک ہے

وہ ذات جس کی تسبیح مختلف زبانوں میں کی جاتی ہے۔" پس لفظ معیت کتاب و سنت میں کئی جگہ استعمال کیا گیا ہے اور ہر جگہ وہ ایسے امور کا مقتضی ہے جن کا وہ دوسری جگہ مقتضی نہیں ہے۔ "یہ حرف بحرف مدعی کی عبارت ہے۔) پس مع کی دلالت بحسب مواضع مختلف ہوتی ہے۔ یا وہ اپنے تمام موارد میں قدر مشترک پر دلالت کرتا ہے' اگرچہ ہر موضع ایک خاصیت سے ممتاز ہوتا ہے۔ (اس مدعی کی تقسیم اور حسن تصرف پر غور کرنا چاہیے۔) بہ ہر دو تقدیر آیت کا مقتضا یہ نہیں ہے' کہ رب کی ذات مخلوق کے ساتھ مختلط ہو' تاکہ کہا جائے کہ یہ ظاہر سے معروف ہے۔ (پھر مدعی نے دوسری جگہ کہا ہے) جس شخص نے جان لیا کہ معیت انواع مخلوقات میں سے ہر نوع کی طرف منسوب ہے جیسا کہ مثلاً ربوبیت کی نسبت اور یہ کہ اِسْتَواءِ عَلَی الشَّیئِ عرش ہی ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ علو و فوقیت حقیقی سے متصف ہے اور سفول و تحیت سے ہرگز متصف نہیں' نہ حقیقتاً نہ مجازاً۔ اس نے قرآن کو جیسا کہ وہ ہے بغیر تحریف کے جان لیا (ناظرین! ان مقدماتِ قطعیہ اور عباراتِ مرائقہ جلیلہ پر غور کریں۔ استواء علی الشیئ کا حصر عرش میں کر دینا تو ایسا ہے کہ قطع نظر از جاہل کوئی عقلمند تو اس کا قائل نہیں۔ جو شخص یہ وہم کرے کہ آسمان میں اللہ کا ہونا بدین معنی ہے کہ آسمان اس کا احاطہ کئے ہوئے اور اسے گھیرے ہوئے ہے' وہ جھوٹا ہے' اگر اسے غیر سے نقل کرے اور گمراہ ہے اگر اپنے رب کی نسبت ایسا یقین رکھے۔ ہم نے تو کسی کو اس لفظ سے ایسا سمجھتے نہیں سنا اور نہ کسی کو دوسرے سے ایسا نقل کرتے دیکھا۔

(ناظرین کو معلوم رہے کہ فہم قابل سماعت ہے) اور اگر تمام مسلمانوں

سے پوچھا جائے کہ کیا اللہ و رسول کے اس قول سے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے' یہ سمجھتے ہیں کہ آسمان اللہ تعالیٰ کو گھیرے ہوئے ہے۔ تو ان میں سے ہر ایک یہ کہنے میں جلدی کرے گا کہ یہ بات تو شاید ہمارے ذہن میں بھی نہیں آئی۔ جب حقیقت حال اس طرح ہے۔ تو یہ تکلف ہے کہ ظاہر لفظ کو ایک ناممکن چیز قرار دیا جائے' جسے لوگ اس لفظ سے نہ سمجھتے ہوں۔

(پھر مدعی بارادہ تاویل کہتا ہے۔) بلکہ مسلمانوں کے نزدیک یوں ہے کہ اللہ کا آسمان میں ہونا اور عرش کے اوپر ہونا ایک ہی بات ہے' کیونکہ سماء سے مراد علو ہے۔ پس معنی یہ ہوئے کہ اللہ علو میں ہے' نہ کہ سفل میں (اس مدعی نے ایسا کیا ہے۔ ناظرین کو چاہیے کہ اسے خوب یاد رکھیں اور جان لیں کہ یہ لوگ اپنے گھر اپنے ہی ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے اجاڑتے ہیں۔" اور بے شک مسلمانوں کو معلوم ہے۔ کہ "اس کی کرسی میں آسمانوں اور زمین کی گنجائش ہے۔" اور کرسی عرش میں مثل ایک حلقہ کے ہے جو کسی بیابان کی زمین پر پھینک دیا گیا ہو اور عرش اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ جس کو کوئی نسبت نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی عظمت سے۔ اس کے بعد کوئی وہم کرنے والا کس طرح وہم کر سکتا ہے۔ کہ ایک مخلوق اس کو گھیرے ہوئے ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَلَا صَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ (طٰہٰ ۔ ع ۳)۔ فسیروا فی الارض (آل عمران ۔ ع ۱۴) اسی طرح کی اور آیتیں ہیں جن میں فی بمعنی علیٰ ہے۔ یہ کلام عربی حقیقت ہے نہ کہ مجاز۔ جو شخص معنی حروف کے حقائق سے واقف ہے' وہ اسے جانتا ہے اور اس کو معلوم ہے کہ یہ اکثر متواطی (۲۰) ہیں۔ (یہ آخر ہے اس کا جس کے ساتھ مدعی نے تمسک

کیا ہے۔) ہم جواب میں گزارش کرتے ہیں کہ پہلے یہ تو بتاؤ کہ تمہارے اس قول کے کیا معنی ہیں کہ کلمہ مع لغت میں مطلق مقارنت کے لئے ہے جس میں مماست و محاذات کی قید نہیں۔

وہ مقارنت ہے کیا؟ اگر مقارنت سے ایسی صفت نہ سمجھی جائے جو جسمیت کے لئے لازم ہے تو ہمارا مقصود حاصل ہے۔ اگر اس کے سوا سمجھا جائے۔ تو دیکھنا چاہیے کہ مقارنت کے ایسے معنی عرب سمجھتے ہیں یا نہیں۔ پھر مدعی نے یہ جو کہا کہ کلمہ مع معانی میں سے کسی معنی کے ساتھ مقید ہو' تو وہ اس معنی سے مقارنت پر دلالت کرتا ہے۔ ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ ایسا مطلب کس نے سمجھا ہے؟ مدعی نے جو یہ کہا کہ ان تمام آیتوں میں معیت علم کے معنی میں ہے' ہم اس سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ معنی تم نے کہاں سے لئے۔ اگر وہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے مَایَکُوْنَ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ الایہ۔ یہ قول معیت بالعلم پر دلالت کرتا ہے اور یہ دلالت بر سبیل حقیقت ہے۔ تو ہم جواب دیں گے کہ تو نے پورے پیمانے سے ماپا ہے۔ ہمارے واسطے بھی اسی کی مثل پیمانہ سے ماپ اور جان لے کہ کلمہ فوق جس طرح علو فی الجھة کے لئے مستعمل ہے۔اسی طرح علو فی المرتبة والسلطنة والملک کے معنی میں آتا ہے۔ یہی حال استواء کا ہے' پس یہ دونوں متواطی ہیں جیسا کہ تو نے ذکر کیا حرف بحرف اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (انعام۔ ع ۲) وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ (یوسف۔ ع ۹) یَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ۔ (فتح۔ ع ۱) وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُوْنَ (اعراف۔ ع ۱۵) وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (زخرف۔ ع ۳) اور یہ معلوم ہے کہ ان آیات میں فوق سے مراد

جہت علو نہیں۔ پس تو بحث کا اعادہ کر اور کہہ دے کہ وہ فوق العرش ہے' استیلاء کے ساتھ۔ اسی طرح حدیث اوعال میں ہے جس طرح تو نے کلمہ مع میں کیا' اسی طرح کلمہ فوق میں کر اور اس کی توجیہہ کر جیسا کہ تو نے مع کی توجیہہ کی ورنہ سب کو ترک کر۔ پھر مدعی نے یہ جو کہا کہ جس شخص نے جان لیا کہ معیت انواع مخلوقات میں سے' ہر ایک نوع کی طرف منسوب ہے اور استواء علی الشیئ عرش ہی ہے۔ سو ہم گزارش کرتے ہیں کہ ہم تجھے ایسا شخص دکھلا دیتے ہیں جو معیت کا استعمال کرتا ہے اور جانتا ہے کہ تو جو کچھ کہہ رہا ہے وہ بلا دلیل ہے۔ کیونکہ تو نے اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی۔ ورنہ تو ایک ایسا لفظ دکھا دے جو قطعی طور پر دلالت کرے کہ لفظ فوق استواء فی جہت العلو کے لئے ہے۔

کاش! میں جانتا کہ تجھے یہ کہاں سے معلوم ہے کہ معیت بالعلم حقیقت ہے اور آیہ استواء اور حدیث اوعال دونوں اللہ تعالیٰ کے فوقیتہ حقیقیہ کے ساتھ متصف ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ بجز کشف کے ایسا نہیں ہو سکتا۔ ورنہ دلیلیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات اور شرائع کی پہچان کے لئے مقرر کی ہیں' مدعی نے ان میں سے ایک حرف بھی اپنے دعویٰ کے موافق ذکر نہیں کیا۔ اور اس کا قوم گڑھے ہی میں پڑا ہے۔ مدعی نے یہ جو کہا کہ اللہ تعالیٰ سفول و تحیت سے متصف نہیں' نہ حقیقتاً نہ مجازاً' سو کاش! میں جانتا کہ یہ کس نے دعویٰ کیا ہے کہ جس کے سبب سے اس کو اس بارے میں کلام کرنا پڑا۔ پھر مدعی نے یہ جو کہا کہ جو شخص وہم کرے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے' بدیں معنی کہ آسمان اس کو گھیرے ہوئے ہے' وہ جھوٹا ہے اگر اسے غیر سے نقل کرے اور گمراہ ہے' اگر اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ اعتقاد رکھے۔ سو ہم کہتے ہیں۔ اے مدعی! کہہ جو تو سمجھتا

ہے اور سمجھ جو تو کہتا ہے' اور لوگوں سے افادہ و استفادہ کے کلام کر جیسا کہ عاقل عاقل سے کیا کرتا ہے۔ لفظ فی سے تو ظرفیت (یا جو معنی ظرفیت میں ہو) کے سوا کچھ اور نہیں سمجھا جاتا۔ جب یہ حال ہے۔ تو کیا کوئی عاقل سمجھتا ہے کہ ظرف بعض یا کل کے احاطہ سے منفک ہوتا ہے۔ کیا ایسا کسی نے سنا یا کسی کے خیال میں آیا کہ فی جہت کے معنی میں حقیقت ہے اور اس سے بعض یا کل کا احتواء و احاطہ مفہوم نہیں ہوتا' اگر مراد یہ ہو کہ لوگ اپنی عقلوں کو بیکار کر دیں اور تو ہی کلام کرے اور وہ تیری تقلید و تصدیق کریں۔ تو پھر کوئی مخالف تجھ پر اعتراض نہ کرے گا' رہا مدعی کا یہ قول کہ "اگر تمام مسلمانوں سے پوچھا جائے کہ آیا وہ اللہ و رسول کے اس قول سے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے' یہ سمجھتے ہیں کہ آسمان اللہ تعالیٰ کو گھیرے ہوئے ہے۔ تو ان میں سے ہر ایک یہ کہنے میں جلدی کرے گا' کہ یہ بات تو شاید ہمارے ذہن میں بھی نہیں آئی۔" سو ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ اس سے تیری کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ لفظ فی یہ معنی نہیں دیتا۔ تو اس کی بابت کسی ایسے شخص سے نہ پوچھ بیٹھنا جو کلام عرب سے واقف ہو' کیونکہ وہ اس امر میں تیری تصدیق نہ کرے گا کہ یہ لفظ باوجودیکہ ظرفیت کے لئے ہے' یہ معنی نہیں دیتا اور نہ اس امر میں تیری تصدیق کرے گا کہ یہ لفظ جہت کے معنی میں حقیقت ہے۔ اور اگر تیری مراد یہ ہے کہ عقلیں اللہ تعالیٰ کے حق میں اس سے انکار کرتی ہیں۔ تو ہم تیرے ساتھ ہیں اس کے ثابت رکھنے میں اور ہر ایسی شے کی نفی کرنے میں جو اللہ تعالیٰ کے حق میں نقص کا وہم ڈالے۔

پھر اے مدعی! تیرا یہ قول کہ مسلمان کے نزدیک اللہ کا آسمان میں ہونا اور عرش کے اوپر ہونا ایک ہی بات ہے) اس قابل نہیں کہ کسی کی طرف منسوب کیا

جائے' مگر تیری ہی طرف یا اس کی طرف سے جس سے تو نے یہ عیب سیکھا ہے۔ تو مسلمانوں کو اس غیر معقول امر کا مرتکب قرار نہ دے۔ پھر تو اس امر پر (کہ اللہ کا سماء میں اور عرش کے اوپر ہونا ایک ہی بات ہے۔) یہ دلیل لایا ہے کہ سماء سے مراد علو ہی ہے۔ پس معنی یہ ہوئے کہ اللہ علو میں ہے نہ کہ سفل میں' تو ہی بتا۔ کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اور مہاجرین و انصار میں سے اولون سابقون نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ علو میں ہے نہ کہ سفل میں۔ جو کچھ تو نے آغاز مقدمہ سے آخر مقدمہ تک کہا ہے' اگر اسے تسلیم کیا جائے۔ تو اس کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا وصف استواء علی العرش اور فوق العرش ہونے کے ساتھ کیا ہے۔

رہا یہ کہ سماء سے مراد جہت علو ہے۔ سو مجھے جو کچھ ملا اس کا نقل کرنا تیرے واسطے کافی ہے۔ پھر یہ جو تو نے کہا کہ "مسلمانوں کو معلوم ہے کہ اس کی کرسی میں آسمانوں اور زمین کی گنجائش ہے اور کرسی عرش میں مثل ایک حلقہ کے ہے جو کسی بیابان کی زمین میں پھینکا گیا ہو۔" سو کاش! میں جانتا کہ جب حدیث اوعال تجھے بتاتی ہے کہ اللہ عرش کے اوپر ہے' تو اس حدیث کے درمیان اور فرشتوں کے اس سماء کی طرف چڑھنے کے درمیان کہ جس میں اللہ ہے کیونکر تطبیق ہو سکتی ہے' اور باوجود اس کے اللہ سماء میں حقیقتاً کس طرح ہو گا؟ شاید! بغرض تطبیق تو کہے کہ سماء سے مراد جہت علو ہے۔

کاش !میں جانتا کہ آیا ممکن ہے کہ تو اس تطبیق کے بعد جو توقیف و توفیق سے خالی ہے: یہ کہے کہ اللہ سماء میں حقیقتاً ہے اور سماء پر حقیقتاً ہے اور عرش میں حقیقتاً ہے اور عرش کے اوپر حقیقتاً ہے۔ پھر سماء کی حقیقت یہی چیز ہے جو

دکھائی دیتی اور محسوس ہوتی ہے۔ جس شخص کے ذہن میں سمو نہ آیا ہو' وہ اسی پر سماء کا اطلاق کرتا ہے۔ رہا اصل اشتقاق۔ سو معنی سمو کے دوسرے معنوں یعنی چھت اور بادل پر کوئی فضیلت نہیں' بڑی برکت ہے اللہ کی جو عقلوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ پھر اس کے بعد تیرا یہ کہنا کہ عرش اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے جس کو کوئی نسبت نہیں مگر اللہ کی قدرت اور اس کی عظمت۔ اگر اس عبارت میں الا ہے جیسا کہ ہم نے دیکھا' تو تو نے عرش کی نفی کی اور جہت ہی کو قدرت و عظمت بنا دیا اور تیرے کلام کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی جہت اس کی قدرت و عظمت ہے۔ اس صورت میں تو نے وہ کہا جو سمجھ میں نہیں آتا اور نہ ایسا کسی اور نے کہا ہے اور اگر یہ لفظ الیٰ ہو۔ تو تو نے سچ کہا اور حق کہا اور اس کے خلاف کہا کس نے؟ مجھے اپنی زندگی کی قسم! کہ ہم نے اس مقام کی ترمیم کر دی اور اصلاح بتا دی' پھر تو نے کہا کہ اس کے بعد کوئی کس طرح وہم کر سکتا ہے کہ مخلوق اس کو گھیر لے؟ ہم کہتے ہیں' ہاں! ہماری یہ ساری زحمت اس شخص کے سبب سے ہے جو حصر کا مدعی اور موہم ہے۔ پھر تو نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ یہاں جذوع (شاخوں) میں تمکین و استقرار ثابت ہے۔ کیونکہ مصلوب کی تمکین شاخ میں مثل اس تمکین کے ہے جو (مظروف کی) ظرف میں ہو۔ یہی حکم اللہ تعالیٰ کے قول قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ) میں ہے۔ یہ جو ہم نے ذکر کیا یہی جواب ہے حدیث اوعال اور حدیث قبض روح اور حدیث عبداللہ [۲۱] بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور حدیث امیہ بن ابی الصلت کا اور اس کے اس قول کا

مجدوا اللّٰہ فھو اھل لمجدہ ربنا فی السماء امسی کبیرا

مدعی سے کہا جائے کہ اگر تو اس شعر میں صرف فی السماء روایت کرتا ہے اور اس کے آگے امسی کبیرا نہیں لاتا۔ تو اکثر اس امر کا وہم ہوتا ہے۔ جس کا تو دعوے کرتا ہے۔ لیکن اس صورت میں نہ شعر رہے گا نہ قافیہ۔ اگر امیہ نے کہا ہے ربنا فی السماء امسی کبیرا۔ تو تو بھی ایسا ہی کہہ دے اس صورت میں معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالی آسمان میں بڑا ہے۔ اگر تو اعتراض کرے کہ اللہ زمین میں بھی بڑا ہے' آسمان کو کیوں خاص کیا گیا؟ ہم جواب دیں گے کہ آسمان کی تخصیص اس امر کے سبب سے ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔ یعنی خدا کی تعظیم جو آسمانوں والے کرتے ہیں وہ زمین والوں کی تعظیم سے زیادہ ہے۔ اس لئے کہ فرشتوں میں کوئی ایسا نہیں جو پتھر کو تراشے اور اس کی پوجا کرے اور نہ ان میں کوئی دہری ہے' نہ معطل نہ مشبہ۔ امیہ کا خطاب کفار عرب سے ہے جنہوں نے ہبل ولات و منات و عزیٰ وغیرہ کو خدا کا شریک ٹھہرایا ہوا تھا اور عرب کو معلوم تھا کہ آسمان والے ان کی نسبت زیادہ عالم ہیں' یہاں تک کہ وہ کاہن کی بات کو اختیار کرتے جو اس جن سے سنتا تھا جو فرشتے سے چوری سے کوئی کلمہ سن لیتا۔ پھر اس کے ساتھ سینکڑوں جھوٹی باتیں ملا دیتا۔ فرشتوں کی نسبت ان کے اعتقاد کو اسی پر قیاس کر لیجئے۔

لہذا امیہ نے فرشتوں کے ساتھ حجت پکڑی اور یہ بعید نہیں اور نہ کسی امر قطعی کے خلاف ہے۔ پھر مدعی نے کہا کہ یہ بالبداہت معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبلغ ہیں' انہوں نے اپنی فرمانبردار امت کو بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور وہ سماء کے اوپر ہے۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ صریحاً غلط ہے' آپ نے تو ان کو یہ بتایا۔ "اَللّٰهُ اَسْتَوىٰ عَلَى الْعَرْشِ" یہی

آنحضرت ﷺ کی تبلیغ سے بطریق تواتر ثابت ہے اور مدعی نے یہ اخبار جو ذکر کئے ہیں' وہ آحاد ہیں جن پر جمع کثرت صادق نہیں آتی اور ان میں اس کے لئے کوئی حجت نہیں اور یہ واضح ہے اس شخص کے لئے جس نے رسول اللہ ﷺ کا کلام سنا اور عرب کے استعمال کے مطابق اس کے معنی لئے اور غیر لغت عرب کو اس میں دخل نہ دیا۔

پھر تو نے کہا۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں عرب و عجم کو جاہلیت و اسلام میں پیدا کیا مگر وہ جس کو شیطان نے اس کی فطرت و سرشت سے پھیر دیا۔ یہ کلام اول سے آخر تک قیل کے ساتھ معارض ہے اور ترجیح ہمارے ساتھ ہے۔ پھر تو نے کہا کہ سلف کے اس بارے میں اس قدر اقوال ہیں کہ اگر جمع کئے جائیں۔ تو دو لاکھ تک پہنچ جائیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر سلف سے تیری مراد مشبہ کے سلف ہیں جیسا کہ تیرے کلام میں آئے گا' تو اکثر اس تعداد کے قریب ہوں گے اور اگر امت کے سلف صالحین مراد ہوں۔ تو ایک آدھ بھی نہ ہو گا۔ لیجئے ہم ہر مقام اور ہر میدان میں اللہ تعالیٰ کی قوت و توانائی سے تیرے ساتھ ہیں۔ پھر تو نے کہا کہ نہ کتاب اللہ میں' نہ سنت رسول اللہ ﷺ میں' نہ سلف امت میں سے کسی کی طرف سے' نہ صحابہ کی طرف سے' نہ تابعین کی طرف سے ایک حرف پایا جاتا ہے۔ نہ بطریق نص نہ ظاہر جو اس کے مخالف ہو' تو شروع میں کہہ چکا ہے کہ میں وہی کہوں گا جو اللہ اور اس کے رسول اور مہاجرین و انصار میں سے سابقون اولون نے کہا ہے۔ یہاں سابقون اولون سے مراد تیرے عقیدہ کے مشائخ ہوں گے۔ تو نے عشرہ مبشرہ اور اہل بدر و حدیبیہ کو سلف سے اور تابعین کو متابعت سے جدا کر دیا ہے۔ پھر تو نے کہا کہ ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ

اللہ غیر سماء میں نہیں ہے اور نہ یہ کہ وہ عرش پر نہیں ہے اور نہ یہ کہ وہ ہر مکان میں ہے اور نہ یہ کہ تمام مکانات اس کی نسبت برابر ہیں اور نہ یہ کہ وہ عالم میں داخل ہے اور نہ یہ کہ وہ اس سے خارج ہے اور نہ متصل ہے نہ منفصل۔

ہم کہتے ہیں کہ تو نے دعوے کو عام بنا دیا۔ پس تو نے وہ ذکر کیا جو تیرے علم میں نہیں۔ ہم نے تیرے واسطے امام جعفر صادق۔ جنید۔ شبلی۔ جعفر بن نصیر اور ابو عثمان مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال نقل کر دیئے ہیں جن میں کفایت ہے۔ اگر تو ہماری نقل میں یا ان بزرگوں میں طعن کرے گا۔ تو ہم تیری نقل میں اور بالخصوص تیرے ہم عقیدہ منقول عنہم میں طعن کریں گے' تیرے ہم عقیدہ اصحاب کے سوا کوئی اور تیرے موافق نہیں۔ پھر تو ہی ہے جس نے کہہ دیا وہ جو نہیں فرمایا اللہ نے' نہ اللہ کے رسول نے' نہ مہاجرین و انصار میں سے سابقون اولون نے' نہ تابعین نے اور نہ مشائخ امت نے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی ایک حرف تک اس بارے میں زبان پر نہیں لایا کہ اللہ تعالیٰ جہت علو میں ہے۔ مگر تو نے کہہ دیا اور تصریح کر دی اور بحث کی اور تو سمجھا کہ یہ جو آیا ہے کہ اللہ آسمان میں ہے اور آسمان کے اوپر ہے اور عرش میں ہے اور عرش کے اوپر ہے۔ اس سب سے مراد جہت علو ہے۔ تو بتا تو سہی' کسی نے ایسا کہا۔ کیا اللہ نے ایسا فرمایا؟ یا اس کے رسول نے یا مہاجرین و انصار میں سے سابقون اولون نے؟ یا ان کے تابعین نے۔ تو ہمیں بے سند و غیر معروف امور کے ساتھ کیوں ڈراتا ہے؟ مدد اللہ کی طرف سے ہے۔

اس کے بعد مدعی نے اللہ تعالیٰ کی طرف انگلی وغیرہ کے ساتھ اشارہ کے جائز ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے

کہ آپ خطبہ عرفات میں فرمانے لگے۔ "آگاہ رہو! کیا میں نے (حکم شریعت) پہنچا دیا۔" صحابہ کرام عرض کر رہے تھے کہ ہاں! پس حضور اپنی انگشت مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے اور ان کی طرف جھکاتے تھے۔ اور کئی بار فرماتے تھے۔ "یااللہ! تو گواہ رہ۔" بتا! دلالت کی کس قسم سے یہ حدیث اللہ تعالیٰ کی طرف اشارے کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ جو کچھ آنحضرت ﷺ کی طرف سے صادر ہوا وہ تو صرف اتنا ہے کہ آپ نے اپنی انگشت مبارک اٹھائی' پھر صحابہ کرام کی طرف جھکا دی۔ کیا اس میں دلالت ہے اس امر پر کہ آپ اپنی انگشت مبارک سے اللہ تعالیٰ کی جہت کی طرف اشارہ فرما رہے تھے؟ لیکن حدیث جہت تو ایسے محکم طور پر مدعی کے ذہن نشین ہو گئی ہے کہ اگر وہ فرائض و وصایا و احکام حیض کا بھی کوئی مشکل مسئلہ سن لے۔ تو پکار اٹھے کہ یہ جہت پر دلالت کرتا ہے۔

متکلمین پر طعن اور اس کا جواب

اس کے بعد مدعی نے ستم ڈھایا اور یوں کہا ہے۔ "نفی کرنے والے سابقون جو کچھ ایسی عبارتوں سے کہتے ہیں اگر وہی حق ہو' نہ کہ وہ جو کتاب و سنت سے نصاً یا ظاہراً سمجھا جاتا ہے' تو کیسے جائز ہے اللہ تعالیٰ پر' پھر اس کے رسول ﷺ پر پھر جبر الامہ پر کہ وہ ہمیشہ حق کے خلاف بطور نص یا ظاہر کلام کیا کریں اور حق کو جس کا اعتقاد واجب ہے کبھی ظاہر نہ کریں اور نہ نصاً یا ظاہراً اس کی طرف رہنمائی کریں' یہاں تک کہ عوام اہل فارس و روم اور بچگان یہود آکر امت کے لئے صحیح عقیدہ بیان کریں جس کا اعتقاد ہر مولف یا فاضل پر واجب ہو۔ جو کچھ یہ متکلمین کہتے ہیں اگر وہی اعتقاد واجب ہوتا اور لوگ باوجود اس کے محض اپنی عقلوں پر چھوڑ دیئے جاتے تاکہ اپنی عقلوں کو قیاس کے مقتضا

کے ساتھ اس امر کو رد کر دیا کریں جس پر کتاب و سنت نصاً یا ظاہراً دلالت کرے۔ تو اس صورت میں لوگوں کو کتاب و سنت کے بغیر رہنے دینا ان کے لئے زیادہ ہدایت بخش و نفع بخش تھا۔ بلکہ اصول دین میں کتاب و سنت کا وجود سراسر نقصان تھا۔ کیونکہ ان متکلمین کے قول کی بنا پر حقیقت امریوں تھی کہ اے معشر عباد! تم اللہ تعالٰی کی معرفت کو اور ان صفات کو جن کا وہ نفیاً یا اثباتاً مستحق ہے کتاب و سنت میں تلاش نہ کیا کرو اور نہ طریق سلف امت میں اسے جب تم دیکھ لیا کرو۔ جن صفات کا اسے مستحق پاؤ ان کے ساتھ اس کا وصف کر دیا کرو' خواہ وہ کتاب و سنت میں موجود ہوں یا نہ ہوں اور اپنی عقلوں میں جن صفات کا مستحق اسے نہ پاؤ ان کے ساتھ اس کا وصف نہ کیا کرو۔"

پھر مدعی نے کہا کہ "متکلمین دو فریق ہیں۔ ان میں سے اکثر کہتے ہیں کہ جس بات کو تمہاری عقلیں ثابت نہ کریں اس سے نفی کر دو۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس میں توقف کرو' اور تمہاری عقلوں کا قیاس جس چیز کی نفی کرے جس میں تم روئے زمین پر تمام اختلاف سے بڑھ کر اختلاف رکھنے والے ہو' اس کی نفی کر دو اور شارع کا قول ہے کہ تنازع کے وقت تم اس (قیاس) کی طرف رجوع کیا کرو۔ کیونکہ یہی حق ہے جس کا میں نے تم کو حکم دیا ہے اور جو کتاب و سنت میں ایسا امر مذکور ہو جو تمہارے اس قیاس کے مخالف ہو یا ثابت کرتا ہو وہ امر جسے تمہاری عقلیں ان میں سے اکثر کے طریقہ پر ادراک نہ کر سکتی ہوں۔ تو جان لو کہ اس کی تنزیل سے میں نے تمہارا امتحان کیا ہے۔ اس واسطے نہیں کہ تم اس سے ہدایت اخذ کرو' بلکہ اس واسطے کہ تم اس کی تخریج میں بنا بر شواذ لغت دو حسی الفاظ و غرائب کلام سے اجتہاد کرو یا سکون اختیار کرو اور اس کا علم مجھ پر

چھوڑو۔" بقول مدعی بنا بر رائے متکلمین حقیقت امر یہی ہے۔ شیطان نے لپٹ کر اس کے حواس کھو دیئے ہیں۔

ہم اس سے کہتے ہیں کہ اعین (بصیغہ جمع) اور وجہ و جنب و ساق وایدی کا جو ذکر (اللہ تعالیٰ کے لئے) آیا ہے۔ اگر ہم اس کے ظاہر کو لیں تو ایسے شخص کا ثبوت لازم آتا ہے' جس کا ایک چہرہ' بہت سی آنکھیں ایک پہلو' بہت سے ہاتھ اور ایک پنڈلی ہو۔ دنیا بھر میں ایسے شخص سے بدصورت کون ہو گا؟ پس کوئی عاقل کس طرح کہہ سکتا ہے کہ رب العالمین ایسی صورت سے موصوف ہے۔)

اگر تو بطریق (۳۲) جمع و تفریق اس میں تصرف کرے۔ تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور سلف امت نے ایسا ذکر کیوں نہیں کیا؟ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ ہر عالم جانتا ہے کہ وہ نور جو دیواروں اور چھتوں پر اور راستوں اور باغوں میں ہے' وہ اللہ تعالیٰ نہیں اور نہ مجوس اس کے قائل ہیں۔ اگر تو کہے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کا ہادی اور ان کا روشن کرنے والا ہے۔ تو ایسا کیوں نہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور نہ اس کے رسول نے اور نہ سلف امت نے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اللہ پرانے کپڑے کے اندر ہو۔ مگر اسے بیان کیوں نہیں کیا اللہ نے نہ اس کے رسول نے اور نہ سلف امت نے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ اور معلوم ہے کہ تقرب فی الجہت مسافت ہی کے لئے ہوتا ہے۔ پس اس کو بیان کیوں نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے نہ اور اس کے رسول نے اور نہ سلف امت نے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ۔ یہ ہی ارشاد الٰہی ہے۔ "وَجَاءَ رَبُّكَ فَاَتَی اللّٰہُ بُنْیَانَھُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ۔"

یوں بھی ارشاد ہے۔ "وَمَا یَاتِیْهِمْ مِنْ ذِکْرٍ مِنْ رَّبِّهِمْ مُحْدَثٌ۔" آنحضرت ﷺ اپنے رب سبحانہ و تعالیٰ سے بطور حکایت فرماتے ہیں۔

مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْراً تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا وَمَنْ تَقَرَّبَ اِلٰی ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَمَنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتَهٗ هرولة۔ اور حدیث میں ثابت ہے اَجِدُ نَفَسَ الرَّحْمٰنِ مِنْ قَبْلِ الْیَمَنِ۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ یَمِیْنُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ۔ اور آپ اپنے پروردگار سبحانہ و تعالیٰ سے بطریق حکایت فرماتے ہیں۔ اِنَّا جَلِیْسُ مِنْ ذَکَرَنِیْ۔ کیا تو مجسم سے امن میں رہ سکتا ہے کہ تجھ سے یوں کہہ دے کہ ان آیات و احادیث کے ظواہر اس کثرت سے ہیں کہ ان کی گنتی احادیث کثیرہ جہت سے کئی گناہ ہے۔ اگر حال ایسا ہی ہو جب کہ تو جسمیت کی نفی میں کہتا ہے باوجودیکہ ان میں سے کسی میں ایسا امر جو ان کے ظواہر کے خلاف بیان کرے' نہیں آیا۔ نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے' نہ اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اور نہ سلف امت کی طرف سے۔ اس صورت میں مجسم تیرے واسطے تیرے ہی پیمانہ سے ماپ دے گا اور تجھ سے کہہ دے گا کہ اگر یہی حال ہے جیسا کہ تو نے کہا۔ تو لوگوں کو کتاب و سنت کے بغیر رہنے دینا ان کے لئے زیادہ ہدایت بخش تھا اور اگر تو کہے کہ عمومات نے ان کے ظواہر کے خلاف بیان کر دیا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ ہم نے ان میں سے جسمیت کا نافی ایسا نہیں پایا جو جہت کا بھی نافی نہ ہو۔ علاوہ ازیں تو تناسخی سے امن میں نہیں رہ سکتا جو اللہ تعالیٰ کے قول فِیْ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّاشَاءَ رَکَّبَكَ سے اپنا مذہب ثابت کرتا ہے اور تو معطل [۲۳] سے نہیں بچ سکتا جو اللہ تعالیٰ کے قول مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ سے اپنا مطلب نکالتا ہے۔ اس صورت میں

تیرے واسطے اس نقص سے بچنے کی راہ سوائے ان دلیلوں کے نہ ملے گی جو ان الفاظ سے خارج ہیں۔ پھر تیرا حاصل کلام یہ ہوا کہ شافعیہ و حنفیہ و مالکیہ کے قول کو لازم ہے کہ لوگوں کا بغیر کتاب و سنت کے رہنے دینا ان کے لئے زیادہ ہدایت بخش تھا۔

کیا تو دیکھتا ہے کہ وہ اس پر تیری تکفیر کرتے ہیں یا نہیں۔ پھر تو نے کلام متکلمین کا مقتضا یہ قرار دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور سلف امت نے عقیدہ کو بیان نہ کیا یہاں تک کہ ان لوگوں نے اسے بیان کر دیا۔ تو ہمیں بتا کہ کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور سلف امت نے یہ عقیدہ بیان کر دیا جو ان سے منقول ہو کہ وہ تیری طرح کہتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ جہت علو میں ہے نہ کہ جہت سفل میں' اور یہ کہ اس کی طرف اشارہ حسیہ جائز ہے۔ پھر جب تو ایسا نہ پائے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہ اس کے رسول ﷺ کے کلام میں۔ نہ عشرہ مبشرہ میں سے کسی کے کلام میں اور نہ مہاجرین و انصار میں سے سابقون اولون کے کلام میں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ تو اپنے نفس کو ملامت کر اور کہہ دے کہ میں نے متکلمین پر وہ بات تھوپ دی جو ان میں نہ تھی۔ پھر تو نے متکلمین کی نسبت کہہ دیا کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ جو بات عقلوں کے قیاس کے موافق ہو اسے مان لو' ورنہ اس کی نفی کر دو۔ مگر متکلمین نے ایسا نہیں کہا۔ بلکہ انہوں نے تو یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفت کمال کا ثبوت واجب ہے اور صفت نقص کی نفی اس سے ضروری ہے' جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے وارد ہے' اسے لغت عرب پر پیش کیا جائے کہ جن کی لغت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو بھیجا ہے۔

چنانچہ قول باری تعالیٰ ہے۔

"وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ"

(اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر بولی بولتا اپنی قوم کی۔ (ابراہیم۔ ع ۱)

پس جو کچھ عرب سمجھے وہی تو سمجھ۔ جو شخص اس کے خلاف تجھ کو بتائے' اس کے کلام کو ٹوٹے نعل کی طرح پھینک دے اور اس کے قول کو باغ کی دیوار پر دے مار۔ مدعی کی طعن کی تردید کے بعد ہم انشاء اللہ تعالیٰ ایک فصل باندھیں گے۔ جس میں بتائیں گے کہ یہ آیتیں اس وجہ پر کس واسطے وارد ہوئی ہیں۔ مدعی نے جماعت کی مخالفت میں جو زبان درازی کی ہے اور اس مسئلہ میں برا مسلک اختیار کیا ہے' وہ ان کمینہ ملحدوں سے لیا ہے' جو قرآن میں طعن کرتے ہیں۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ ان کی گمراہی کو بیان کریں گے۔ تب اس کو معلوم ہو جائے گا کہ فلاسفہ و یہود کے بچے کون ہیں' پھر اگر یہ غافل حیاء کرتا تو علماء امت رحمہم اللہ تعالیٰ کی قدر جانتا' وہ بتاتے تو سہی کہ جن علماء کو وہ فلاسفہ و یہود کے بچے بتا رہا ہے ان کے سوا اور کس نے ان فلاسفہ و یہود اور روم و فارس کی تردید کی ہے۔ انہوں نے ان طوائف کی تردید میں ان لوگوں پر اعتماد نہیں کیا جن کو نہ عقل ہے' نہ بصیرت' نہ ادراک۔

پھر اس کے بعد مدعی نے یہ بیان کیا ہے کہ امور عامہ سے جب نفی کی جائے۔ تو ان کی دلالت بہ سبیل چیستان ہوتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اسی طرح مجسم تجھ سے کہے گا کہ نفی جسمیت پر امور عامہ کی دلالت چیستان ہے۔ اس کے بعد مدعی نے کہا! یا سبحان اللہ! کیوں نہیں فرمایا کسی دن رسول اللہ ﷺ نے اور نہ سلف امت میں سے کسی نے' کہ ان آیات و احادیث کے مدلول پر اعتقاد نہ

رکھو، ہم کہتے ہیں کہ اسی طرح مجسم تجھ سے کہے گا۔ یا سبحان اللہ! کیوں نہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اور نہ سلف امت میں سے کسی نے کہ اللہ تعالیٰ جسم نہیں ہے اور نہ انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ حدیثیں جو جسمیت کی موہم ہیں ان کے ظواہر پر اعتقاد نہ رکھو۔ پھر مدعی نے رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے استدلال کیا ہے جو آپ نے فرقہ ناجیہ کی صفت میں فرمایا کہ جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔

وجہ استدلال یوں کہ آنحضرت ﷺ نے یوں کیوں نہ فرما دیا کہ آیات اعتقاد میں جو شخص ظاہر قرآن سے تمسک کرے وہ گمراہ ہے اور ہدایت صرف عقلوں کے مقاییس کی طرف تمہارا رجوع کرنا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مدعی نے ملمع سازی کی ہے۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریق اس بارے میں کلام کرنے سے باز رہنا ہے۔ ہمارا اسی پر عمل ہے، مگر مدعی ساکت نہیں۔ اس کا طریق کلام کرنا اور اللہ تعالیٰ کو جہت علو کے ساتھ وصف کرنا اور اس کی طرف اشارہ حسیہ کا جائز رکھنا ہے۔

کاش! میں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے موافق کون ہے؟ ہم یا وہ، کسی نے سچ کہا ہے۔ رمتنی بدائھاوانسلت (اس نے اپنا عیب مجھ پر تھوپ دیا اور نکل گئی۔) پھر مجسم اس سے ٹھیک اسی طرح کہے گا جو اس نے ہم سے کہا، اور ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں کیوں نہ فرما دیا کہ فرقہ ناجیہ وہ ہے جو کہے کہ اللہ تعالیٰ جہت علو میں ہے اور اس کی طرف اشارہ حسیہ جائز ہے، اگر وہ جواب دے کہ یہ سلف اور صحابہ کا طریقہ

ہے۔ ہم کہیں گے کہ اس کا کیا ثبوت ہے؟ اس طرح تو ہر ایک مبتدع دعوی کرے گا۔

اس کے بعد مدعی نے اس مقالہ کے اسناد میں کہا کہ یہ تلامذہ یہود و مشرکین و گمراہ صائبین سے ماخوذ ہے' کیونکہ پہلا شخص جس سے یہ مقالہ ثابت ہے وہ جعد بن درہم ہے ۔ جعد سے جہم بن صفوان نے لیا اور ظاہر کر دیا۔ پس جہمیہ کا قول اسی کی طرف منسوب ہو گیا' جعد نے اس کو ابان بن سمعان سے لیا' اور ابان نے لبید بن اعصم کی بہن کے بیٹے طالوت سے لیا اور طالوت نے لبید یہودی سے لیا جس نے نبی ﷺ کو جادو کر دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ جعد حران کے باشندوں میں سے تھا۔ مدعی سے جواب میں کہا جائے کہ تو نے اس دعویٰ میں کہ یہ مقالہ تلامذہ یہود سے ماخوذ ہے' ہدایت کی مخالفت کی ہے۔ کیونکہ تمام خواص اور بہت سے عوام پر پوشیدہ نہیں کہ یہود مجسمہ مشبہ ہیں۔ تجسیم و تشبیہ کی ضدان سے کس طرح ماخوذ ہو سکتی ہے' رہے مشرکین' سو وہ بت پرست تھے' اور ائمہ نے بتا دیا ہے کہ بت پرست مشبہ کے شاگرد ہیں اور بت پرستی کی اصل تشبیہ ہے۔ پس تشبیہ کی نفی ان سے کیسے ماخوذ ہو سکتی ہے؟ باقی رہے صائبہ۔ سو ان کا شہر معلوم اور ان کی ولایت مشہور ہے۔ کیا ہم وہاں کے ہیں یا ہمارے مخالف؟ جعد بن درہم کا اہل حران میں سے ہونا درست ہے۔ یہ سند جو اس نے ذکر کی ہے اس کی ترتیب کی نسبت اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا اور اللہ تعالیٰ کے گرد گھات میں لگا ہے۔

کاش! مدعی اس کے بعد کہتا کہ میرے دعوے اس پر کرنے کی سند یہ ہے کہ فرعون نے گمان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خدا آسمان میں ہے۔ پھر

اس قول کو بشر مزنی کی طرف منسوب کرتا اور کہہ دیتا کہ یہی وہ باتیں ہیں جن کو ائمہ نے باطل ثابت کیا ہے اور جن کے ساتھ بشر کی تردید کی ہے اور یہ کہ جو کچھ استاد ابوبکر بن فورک اور امام فخرالدین رازی قدس اللہ روحما نے ذکر کیا وہی ہے جو بشر نے ذکر کیا ہے اور یہ کذب و باطل ہے جو نظر راست کی کسوٹی اور فکر مستقیم کے معیار پر پورا نہیں اترتا' کیونکہ یہ محال ہے کہ ائمہ بشر پر اس واسطے انکار کریں کہ وہ کہتا ہے کہ جو عرب کہتے ہیں اور ان دو اماموں نے وہی کہا ہے جو عرب نے کہا ہے۔ بشر پر انکار اسی صورت میں ہے کہ جہاں وہ لغت عرب کی مخالفت کرتا ہے اور عرب کی طرف سے وہ کہتا ہے جو انہوں نے نہیں کہا۔

صحابہ کرام اور ائمہ عظام کے اقوال سے استدلال کا جواب

اس کے بعد مدعی نے اس امر کی تصدیق کے لئے کہ میرا عقیدہ وہی ہے جو مہاجرین و انصار کا تھا' کئی قول نقل کئے ہیں۔ اور کہا ہے کہ امام اوزاعی کا قول ہے کہ ہم (اور تابعین کثرت سے تھے) کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے اوپر ہے۔ ہم جواب میں گزارش کرتے ہیں کہ تو نے امام اوزاعی اور ان کے طبقہ اور طبقہ مابعد سے شروع کیا ہے۔ مہاجرین و انصار میں سے سابقون اولون کہاں رہے؟ اور تو نے امام اوزاعی کی بھی مخالفت کی ہے' کیونکہ تیرا تو یہ قول ہے کہ اللہ اپنے عرش کے اوپر نہیں۔ اس لئے کہ تیری تقریر کے مطابق عرش اور سماء سے مراد فقط جہت علو ہے اور عرش و سماء کے اوپر ہونے سے یہی مراد ہے۔ اسی طرح تو نے قول اوزاعی کا صریحاً خلاف کیا ہے۔ باوجود اس کے تو نے ہرگز وہ نہیں کہا جو سمجھ میں آسکے' کیونکہ تیری تقریر تو یہ ہے کہ اللہ کی کرسی میں زمین و آسمان کی گنجائش ہے اور کرسی عرش میں ایسی ہے جیسا کہ کسی بیابان میں ایک حلقہ پڑا ہوا ہو۔ تب عرش کیسا ہو گا؟ علاوہ ازیں اوزاعی کے اس نقل کی صحت کا ثبوت کیا ہے؟ اس تمام میں مسامحت کے بعد گزارش ہے کہ اوزاعی نے یہ نہیں کہا کہ اللہ عرش کے اوپر حقیقتاً ہے۔ اس زیادت کا ثبوت کیا ہے؟

مدعی نے مالک بن انس ' ثوری' لیث اور اوزاعی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے احادیث صفات کی نسبت فرمایا کہ ان کو پڑھو جیسا کہ آئی ہیں۔ اس

سے پوچھا جائے کہ تو باز کیوں نہیں رہا جیسا کہ ائمہ نے حکم دیا ہے' بلکہ تو نے تو اللہ کا وصف جہت علو کے ساتھ کر دیا' حالانکہ اس بارے میں کوئی خبر وارد نہیں ہوئی۔ اگر تو زمین کے برابر سونا خرچ کرے تاکہ کسی عالم ربانی سے ایسا سنے' تو نہ سنے گا۔ بلکہ تو نے تو اپنا تصرف کیا اور نقل کیا جیسا کہ تیرے دل میں آیا اور تو نے اتباع نہ کیا اس کا جو ائمہ سے نقل کیا۔ مدعی نے ربیعہ اور مالک کا قول نقل کیا ہے۔ کہ استواء غیر مجہول ہے۔

کاش! میں جانتا کہ کس نے کہا ہے کہ استواء مجہول ہے۔ بلکہ تو نے گمان کیا کہ وہ اس معنی میں ہے جو تو نے معین کئے ہیں اور چاہا ہے کہ اس کو ان دو اماموں کی طرف منسوب کر دے' مگر ہم اسے تسلیم نہیں کرتے۔ پھر اس نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ' آپ نے سائل سے فرمایا کہ اس پر ایمان واجب ہے اور اس کی کیفیت کی نسبت سوال کرنا بدعت ہے اور میں تجھے بدعتی سمجھتا ہوں۔ پس آپ کے حکم سے سائل کو نکال دیا گیا۔

کاش! میں جانتا کہ امام مالک کے قول کی پیروی ہم دونوں میں سے کسی نے کی۔ کیا ہم نے پیروی کی' کیونکہ ہم نے اس مسئلہ میں امساک و سکوت کا حکم دیا اور عوام کو اسی میں خوض کرنے سے منع کیا۔ یا اس نے پیروی کی جس نے اپنا سبق و مشق یہ قرار دیا ہے کہ دوسروں کو بتانا اور لکھانا پڑھانا ہے اور عوام کو اس میں خوض کرنے کا حکم دیتا ہے۔ کیا اس نے اس مسئلہ میں مستفتی پر انکار کیا اور اس کو نکال دیا جیسا کہ امام مالک نے کیا۔ اب اسے معلوم ہو جائے گا کہ امام مالک کا قول جو اس نے نقل کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے' نہ کہ اس کے حق میں۔

پھر مدعی نے عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ ماجشون (متوفی ۱۶۴ھ) کا

قول نقل کیا ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ فرقہ جہمیہ [۲۴] جس چیز کا منکر ہے وہ کس طرح ہے؟ اس پر آپ نے پروردگار عظیم کی صفت میں فرمایا کہ اس کی عظمت وصف و اندازہ سے سبقت لی گئی ہے۔ زبانیں اس کی صفت کی تفسیر سے کند ہیں۔ عقلیں اس کی قدرت کی معرفت سے ورے رک گئی ہیں۔ اس کی عظمت نے عقلوں کو رد کر دیا۔ پس ان کو راستہ نہ ملا' اس لئے ذلیل ہو کر اور تھک کر واپس آگئیں۔ بندوں کو مخلوقات میں صرف نظر و تفکر کا حکم ہے۔

کیف (چگونہ) تو اس کی نسبت کہا جاتا ہے جو ایک وقت نہ تھا پھر موجود ہو گیا' مگر وہ جو متغیر نہیں ہوتا' اور ہمیشہ رہے گا اور رہا ہے' اور جس کی مثل نہیں' اس کی کیفیت کو تو وہی جانتا ہے۔ وہ ذات جس کی ابتداء نہیں۔ جس کو نہ موت ہے نہ کہنگی۔ اس کی عظمت کی مقدار کس طرح پہچانی جا سکتی ہے اور کسی شے کے ساتھ اس کی صفت کی حد و غایت کس طرح ہو سکتی ہے' جسے کوئی عارف پہنچانے' کوئی وصف کرنے والا اس کی عظمت کا اندازہ کس طرح کر سکتا ہے؟ باوجودیکہ وہ حق مبین ہے' کہ کوئی حق سے اس سے زیادہ ثابت اور کوئی شے اس سے زیادہ ظاہر و آشکارا نہیں۔ عقلیں اس کی صفت کی تحقیق سے عاجز ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ اس کی چھوٹی سی چھوٹی مخلوق کی صفت کی تحقیق سے عاجز ہیں' اس کی حرکات کو نہیں دیکھ سکتیں۔ اس کا نہ کان دکھائی دیتا ہے' نہ آنکھ۔ بلکہ وہ مخلوق اپنی عقل سے جو تصرف و حیلہ کرتی ہے وہ اس کے کان اور آنکھ کے ظہور کی نسبت تیرے واسطے زیادہ دشوار و مخفی ہے۔ سو بڑی برکت ہے اللہ کی جو سب سے بہتر جاننے والا اور خالق و پروردگار ہے۔" پھر مدعی نے ماجشون سے احادیث صفات نقل کی ہیں اور والارض جمیعاً قبضۃ الایہ کا

ذکر کیا ہے۔ پھر ماجشون کا یہ قول درج کیا ہے۔

پس خدا نے اپنی ذات کا جو وصف کیا اسے اپنے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے بیان کرا دیا۔ ہم نے اسی وصف کے ساتھ یاد کیا اور کسی اور وصف میں کلام نہیں۔ کیا جس وصف کے ساتھ وہ متصف ہے ہمیں اس سے انکار نہیں، جس کے ساتھ وہ متصف نہیں اس کی معرفت کا ہم دعویٰ نہیں کرتے۔" جس نے اس تقریر میں کلام کو بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہم ناقل سے کہتے ہیں کہ اچھی حجت لایا ہے لیکن وہ ہمارے حق میں ہے، تو نے ہتھیار اچھا اٹھایا ہے مگر ہمارے دشمنوں کے لئے۔

رہا کلام عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا اور جو اس نے اللہ کی کبریائی و عظمت کا ذکر کیا ہے کہ اس میں عقلیں اور سمجھیں حیران و پریشان ہیں۔ سو عالموں نے نظم و نثر میں یہی کہا ہے، تو نے سادات علماء و اعلام امت پر نکتہ چینی کی ہے کہ انہوں نے عجز و تقصیر کا اعتراف کیا ہے، اسے تو نے ان کا عیب سمجھا ہے اور ان کا گناہ بتایا ہے، مگر تو معذور ہے اور وہ معذور نہیں۔ عبدالعزیز کے قول کو تو نے حجت قرار دیا ہے۔ ہم نے اس معاملہ میں ذکر کر دیا جو کچھ متکلمین ہر جگہ میں کہتے ہیں۔ عبدالعزیز نے حکم دیا ہے کہ پروردگار عز اسمہ کو اسی کے ساتھ وصف کرنا چاہیے جس کے ساتھ خود اس نے اپنی ذات کا وصف کیا ہے اور اس کے ماسوا سے سکوت کرنا چاہیے۔ یہی ہمارا قول و فعل و عقیدہ ہے۔ مگر تو نے پروردگار عالم کو جہت علو کے ساتھ وصف کیا ہے، حالانکہ خدا تعالیٰ نے اپنے آپ کو اس کے ساتھ وصف نہیں کیا اور تو نے اس کی طرف اشارہ حسیہ کو جائز رکھا ہے۔ ہم صفات کے قائل ہیں جیسا کہ وہ وارد ہوئی ہیں۔ مگر تو نے عرش و سماء کو صفت علو

کے ساتھ جمع کر دیا اور کہہ دیا کہ وہ سماء میں حقیقتاً ہے اور عرش میں حقیقتاً ہے۔ پاک ہے وہ جو عقلیں عطا فرماتا ہے۔ وَلٰکِنْ کَانَ ذٰلِکَ مَسْطُوْراً ۔ پھر مدعی نے محمد بن الحسن سے نقل کیا ہے کہ فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ رب کی صفت اس وصف کے ساتھ کرنی چاہیے جو قرآن و احادیث میں صفات کی وارد ہے۔

ہم اس سے گزارش کرتے ہیں کہ ہمارا تو اس قول پر عمل ہے۔ لیکن تو نے جو کہہ دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کا وصف جہت علو کے ساتھ کرتا ہوں اور اس کی طرف اشارہ حسیہ کو جائز سمجھتا ہوں۔ یہ قرآن و اخبار ثقات میں کہاں ہے؟ اپنے فتویٰ میں تو نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ مدعی نے ابو عبید قاسم بن سلام رحمتہ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب ہم سے اس کی تفسیر پوچھی جائے' تو ہم اس کی تفسیر نہ کریں گے اور نہ ہم نے کسی کو اس کی تفسیر کرتے پایا ہے۔ ہم جواب میں اس سے کہتے ہیں' کہ الحمد للہ! ہمارا مقصود حاصل ہو گیا۔

کاش! میں جانتا کہ سماء و عرش کی تفسیر کس نے کی اور کس نے کہہ دیا کہ ان دونوں کے معنی جہت علو ہیں اور کس نے ان کی تفسیر اور ان کا حل ترک کر دیا' جیسا کہ حکم ہے۔ پھر مدعی نے ابن مبارک رحمتہ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہمارے رب کی تعریف یوں کی جائے کہ وہ اپنے سماء کے اوپر اپنے عرش پر اپنی مخلوقات سے نرالا ہے اور ہم نہیں کہتے جیسا کہ جہمیہ کہتے ہیں کہ وہ یہاں زمین میں ہے۔ ہم اس سے کہتے ہیں کہ عبدالبر نے صراحت کر دی کہ وہ اپنے سماء کے اوپر اپنے عرش پر ہے۔ کیا عبدالبر نے یوں کہہ دیا کہ سماء اور عرش ایک ہی معنی میں ہیں اور وہ معنی جہت علو ہیں۔ مدعی نے حماد بن زید کا یہ قول نقل کیا ہے' کہ جہمیہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آسمان میں کوئی شے نہیں۔ ہم اس سے کہتے ہیں کہ تو

بھی ان ہی کی بات کا قائل ہے' کیونکہ تو نے صراحت کر دی کہ سماء سے مراد اس کی ذات نہیں' بلکہ وہ معنیٰ جس سے وہ مشتق ہے یعنی سمو' اور سمو کی تفسیر تو نے جہت علو کے ساتھ کی ہے۔ پس تیرے واسطے بہتر یہ ہے کہ اپنے نفس کا عیب ظاہر کر دے جیسا کہ حملو نے جہمیہ کا عیب آشکارا کر دیا۔

مدعی نے ابن خزیمہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو شخص یوں نہ کہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر اپنی مخلوقات سے نرالا ہے واجب ہے کہ اس سے توبہ کرائی جائے۔ اگر توبہ کر دے فبہا' ورنہ اس کی گردن ماری جائے۔ پھر جائے سرگین پر پھینک دیا جائے تاکہ اہل قبلہ و اہل ذمہ اس سے تکلیف نہ اٹھائیں۔ مدعی سے کہہ دیا جائے کہ اس قسم کے مضمون کا جواب پہلے آچکا ہے۔

علاوہ ازیں خاص و عام کو ابن خزیمہ کا حال عقائد میں اور اس کتاب میں جس کو اس نے تشبیہہ میں تصنیف کیا ہے اور توحید نام رکھا ہے' خوب معلوم ہے اور ائمہ نے اس کثرت سے اس کی تردید کی ہے کہ احاطہ بیان سے خارج ہے۔ مدعی نے عباد واسطی اور عبدالرحمٰن بن مہدی اور عاصم بن علی بن عاصم سے حملو کے قول کی مثل نقل کیا ہے۔ جس کا جواب ہم دے چکے ہیں۔ پھر اس کے بعد مدعی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے فخریہ کہا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تو تمہارے اہلی نے کیا ہے اور میرا نکاح اللہ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سے کیا ہے۔ ہم اس سے کہتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ زینب نے کہا کہ اللہ سات آسمانوں کے اوپر ہے' بلکہ یوں کہا کہ اللہ کا میری تزویج کرنا

سات آسمانوں کے اوپر سے ہے۔

پھر مدعی نے ابو سلیمان خطابی سے وہی نقل کیا ہے جو عبدالعزیز ماجشون سے کیا ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ ہم عبدالعزیز کے موافق اور مدعی اس کا مخالف ہے اور اس کو اس نے خطیب اور ابوبکر اسماعیلی اور یحیٰ بن عمار اور ابو اسمٰعیل ہروی اور ابو عثمان صابونی سے بھی نقل کیا ہے کہ احادیث استواء میں وہ استواء کے قائل ہیں اور استواء کو بغیر کیف و بلا تمثیل وبلا تشبیہ ثابت کرتے ہیں اور اللہ کو اپنے عرش پر مستوی کہتے ہیں سماء میں نہ کہ زمین میں اور اس کو اس نے معمر اصبہانی سے نقل کیا ہے۔ ہم نے تجھ سے کئی بار مرتبہ کہہ دیا ہے کہ مدعی اس کے مخالف ہے۔ اس نے جب ایسا کہا تو اسی وقت اس کو نقض کر دیا۔ کیونکہ سماء اس کے نزدیک وہ نہیں جو معروف ہے۔ وہ سماء عرش کے معنی صرف جہت علو بتاتا ہے۔ مدعی نے شیخ عبدالقادر جیلانی سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جہت علو میں ہے اور اپنے عرش پر مستوی ہے۔

کاش! میں جانتا کہ اس نے حضرت شیخ کے کلام [۲۵] سے کیوں حجت پکڑی ہے اور امام جعفر صادق و شبلی و جنید و ذوالنون مصری و جعفر بن نصیر اور ان کے امثال رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو چھوڑ دیا ہے لیکن ابو عمر بن عبدالبر سے جو اس نے نقل کیا ہے۔ سو خاص و عام کو ابو عمر کا مذہب اور ان لوگوں کا اس کی مخالفت کرنا اور مالکیہ کا اس کو برا کہنا اولاً و آخراً مشہور ہے اور امام مغرب ابو الولید باجی سے اس کی مخالفت معروف ہے' یہاں تک کہ فضلاء مغرب کہتے ہیں کہ مغرب میں اس کے سوا اور ابن ابی زید کے سوا کوئی اور اس مقالہ کا قائل نہیں۔ ہاں! ان میں سے بعض نے ابن ابی زید کی طرف سے اعتذار کیا ہے جو

قاضی ابو محمد عبدالوہاب بغدادی مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام میں موجود ہے۔ پھر ابن عبدالبر نے کہا۔ اَللّٰہُ فَوْقَ فِیْ السَّمَآءَ عَلَی الْعَرْشِ مِنْ فَوْقِ سَبْعَ سَمٰوٰاتٍ اور نہیں سمجھا کہ فی السماء علی العرش من فوق سبع سمٰوات کے کیا معنی ہیں۔ دیگر آنکہ ابن عبدالبر نے اس کلام کی تاویل نہیں کی اور نہ مدعی کی طرح یوں کہا کہ عرش و سماء سے مراد جہت علو ہے۔ پھر مدعی نے امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو نقل کیا ہے' اسے اس مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں اور جن کا ذکر پہلے آیا ہے ان کے کلام کا اعادہ کر دیا ہے۔

اس کے بعد اس نے شیخ ابو الحسن علی بن اسمٰعیل اشعری کا قول ذکر کیا ہے کہ وہ کہتا ہے۔ "اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی" ہم اس قول میں اللہ تعالیٰ سے آگے نہیں بڑھتے بلکہ کہتے ہیں اِسْتَوٰی بِلاَ کَیْفٍ۔ اس نے ابو الحسن سے جو نقل کیا ہے وہی ہمارا مذہب اور عقیدہ ہے۔ لیکن مدعی کا اس کے کلام کو نقل کرنا صرف اس واسطے ہے کہ لوگ وہم میں پڑ جائیں کہ حضرت شیخ جہت کے قائل ہیں۔ اگر ایسا ہے۔ تو اس نے جھوٹ میں مبالغہ کیا' اور حضرت شیخ کا کلام اس بارے میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا۔ "کان ولا مکان مخلق العرش والکرسی فلم یحتج الی مکان وھو بعد خلق المکان کما کان قبل خلقه" (اللہ تھا اور کوئی مکان نہ تھا۔ پس اس نے عرش و کرسی کو پیدا کیا۔ پس اسے مکان کی حاجت نہ ہوئی اور وہ مکان کے پیدا کرنے کے بعد ایسا ہی تھا جیسا کہ اس کے پیدا کرنے سے پہلے تھا) اور آپ کا کلام اور آپ کے اصحاب کا کلام اس کے ابطال میں اس قدر ہے کہ اس کا حصر دشوار ہے۔

پھر مدعی نے اس کو قاضی ابوبکر اور امام الحرمین سے حکایت کیا۔ پھر آسمان

کی طرف ہاتھ اٹھانے کے ساتھ تمسک کیا ہے۔ دعاء کے وقت ہاتھوں کا اٹھانا تو صرف اس واسطے ہے کہ آسمان برکات و خیرات کا منزل ہے۔ کیونکہ انوار اور بارش اس سے اترتی ہے۔ جب انسان ایک جانب سے حصول خیرات کا عادی ہوتا ہے' تو اس کی طبیعت اس کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (آسمان میں ہے تمہارا رزق اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔) مدعی نے اصول عقائد کے مطالب میں اس طرح کی دلالت پر اکتفاء کیا ہے۔ یوں تو کوئی مخالف کہہ دے گا کہ اللہ تعالیٰ کعبہ میں ہے۔ کیونکہ ہر ایک نمازی اس کی طرف منہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (میں نے اپنا منہ کیا اس کے لئے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔) یا کہہ دے گا کہ اللہ زمین میں ہے۔ کیونکہ قول الٰہی ہے۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (اور سجدہ کر اور نزدیک ہو) اور سجدہ کے ساتھ نزدیک ہونا مسافت میں زمین ہی میں ہوتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ اَقْرَبُ مَايَكُوْنُ الْعَبْدُ فِيْ سُجُوْدِهٖ۔ یعنی بندہ اپنے سجدہ میں اللہ سے نہایت ہی قریب ہوتا ہے۔ اس کے بعد' مدعی نے حدیث اوعال کا ذکر کیا ہے جس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں۔ پھر اس نے وہ ذکر کیا جس کا اس مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں اور یوں کہنا شروع کیا ہے۔ کہ اس نے سلف سے اپنے مذہب کی مثل نقل کیا ہے۔ حالانکہ اب تک اس نے سوائے شیخ عبدالقادر جیلانی کے اپنا مذہب سلف و خلف میں سے کسی سے نقل نہیں۔ کیا ابن عبدالبر کے کلام میں اس نے نقل کیا ہے۔ لیکن عشرہ مبشرہ اور باقی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایک حرف بھی نقل نہیں کیا' اس کے بعد

اس نے مواعظ و ادعیہ نقل کی ہیں۔ جن کا اس مسئلہ میں کچھ تعلق نہیں۔ پھر اس نے اہل اسلام پر سب و شتم کیا ہے۔ جو چاند پر بھونکتا ہے۔

ہمارے بیان سے ظاہر ہے کہ اس علامہ نے اپنے فتویٰ کا عنوان تو یہ رکھا کہ وہ کہے گا وہی جو فرمایا اللہ اور اللہ کے رسول اور مہاجرین و انصار میں سے سابقون و اولون نے۔ مگر اس نے کسی صحابی سے اپنا مذہب و قول نقل نہیں کیا۔ چونکہ ہم نے اس کے کلام کا فاسد ہونا ثابت کر دیا اور اس کے ایہام کا ایضاح اور اس کے ابہام کا ازالہ اور اس کے ابرام کا نقض کر دیا اور اس کے اعلام کو نگونسار کر دیا۔ اس لئے اب ہمیں وہ شروع کرنا چاہیے جس کا تعلق ہماری غرض اور ہمارے مذہب کے ایضاح سے ہو۔ پس ہم بتوفیق الٰہی گزارش کرتے ہیں کہ صفات کے متعلق آیات و اخبار کے سننے والے پر کچھ وظائف ہیں۔

صفات باری تعالیٰ کے متعلق ہدایات

وہ وظائف یہ ہیں۔ تقدیس۔ ایمان و تصدیق۔ عجز کا اعتراف۔ سکوت۔ آیات و احادیث صفات کے الفاظ میں تصرف سے امساک۔ اس میں تفکر سے باطن کا روکنا' یہ اعتقاد رکھنا کہ جو امر ہم سے پوشیدہ ہے وہ رسول اللہ ﷺ پر پوشیدہ نہ تھا اور نہ صدیق اکبر پر نہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر پوشیدہ تھا۔ اب ہم ان وظائف کے دقائق اللہ تعالیٰ کی مدد سے ظاہر کرتے ہیں۔

تقدیس یہ ہے کہ ہر آیت یا خبر میں ایسے معنیٰ کا اعتقاد و یقین رکھنا چاہیے۔ جو اللہ تعالیٰ کے جلال کے شایاں ہوں۔ اس کی مثال آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ ہر رات سماء دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔ نزول کا اطلاق اس معنیٰ پر ہوتا ہے جسکو حاجت ہو جسم عالی اور جسم سافل کی اور عالی سے سافل کی

طرف انتقال کرنے والے جسم کی اور اوپر سے نیچے کی طرف جسم کے انتقال کی۔ اس کا اطلاق ایک اور معنی پر ہوتا ہے جس کو حاجت نہ ہو انتقال کی اور نہ حرکت جسم کی جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ۔ حالانکہ چوپائے آسمان سے نہیں اترتے بلکہ وہ قطعاً رحموں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے لامحالہ حرکت جسم کے سوا نزول کے اور معنی بھی ہیں اور یہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ میں مصر میں داخل ہوا' لوگوں نے میرا کلام نہ سمجھا۔ اس لئے میں نے نزول کیا۔ پھر نزول کیا' پھر نزول کیا۔ اس وقت امام موصوف کی مراد اوپر سے نیچے کی طرف انتقال نہ تھا۔

پس جب سامع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مذکور سنے' تو اسے خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں نزول پہلے معنی میں نہیں۔ کیونکہ جسم کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔ اگر وہ نزول سے انتقال نہ سمجھے۔ تو اس سے کہا جائے کہ جو شخص نزول بعید کے سمجھنے سے عاجز ہے وہ اللہ عزوجل کے نزول کے سمجھنے سے زیادہ عاجز ہے۔ سو جان لے کہ یہ معنی اللہ تعالیٰ کے جلال کے شایاں ہے۔ عبدالعزیز ماجشون کے کلام میں جو پہلے آچکا ہے اس کی طرف اشارات ہیں۔ یہی حال لفظ فوق کا ہے جو قرآن و حدیث میں آیا ہے' وہ کبھی جسمیت کے لئے اور کبھی مرتبہ کے لئے آتا ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ سو معلوم رہے کہ جسمیت کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔ اس کے سوا اور معنی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے جلال کے شایاں ہیں۔

رہا اس پر ایمان لانا اور تصدیق کرنا۔ وہ یوں ہے کہ جان لے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وصف کرنے میں سچے ہیں۔ جو کچھ آپ نے

فرمایا' حق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں' اس معنی اور وجہ میں جس کا آپ نے ارادہ کیا اگرچہ وہ اس کی حقیقت پر واقف نہ ہو۔ کہیں شیطان اس کے حواس نہ کھو دے کہ یوں کہہ بیٹھے کہ میں ایسے امر مجمل کی جس کی ذات و نفس کو میں نہیں پہنچاتا کس طرح تصدیق کروں۔ بلکہ وہ شیطان کو ذلیل کرے اور یوں کہے کہ جب کوئی صادق مجھے خبر دے کہ ایک حیوان ایک گھر میں ہے جس کے وجود کا میں نے ادراک کیا' اگرچہ میں نے اس کی ذات و نفس کو نہیں پہنچانا' تو میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اسی طرح یہاں بھی ہے۔ پھر یہ بھی معلوم رہے۔ کہ سید الرسل ﷺ نے فرمایا ہے۔

"میں تیری ثناء کو ضبط نہیں کر سکتا۔ تو ہے جیسا کہ تو نے اپنی ثناء خود کی ہے۔"

سید الصدیقین نے فرمایا ہے۔

"ادراک کے حاصل کرنے سے عجز ادراک ہے۔"

رہا عجز کا اعتراف' سو جو شخص ان معانی کی حقیقت سے واقف نہیں۔ اس پر واجب ہے کہ عجز کا اقرار کرے۔ اگر وہ معرفت کا دعویٰ کرے' تو یہ تکلف ہے کیونکہ انسان کتنا ہی عارف ہو' جو اس پر مخفی ہے وہ زیادہ ہے اس سے جو اسے معلوم ہے۔

رہا سکوت' سو یہ سامع پر علی العموم واجب ہے۔ کیونکہ سوال سے اسے وہ پیش آئے گا جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔ اگر وہ کسی جاہل سے سوال کرے گا' تو وہ اس کی جہالت زیادہ کر دے گا اور اگر کسی عالم سے سوال کرے گا۔ تو عالم کے لئے اس کا سمجھانا ممکن نہیں۔ جیسا کہ بالغ کے لئے ممکن نہیں کہ نابالغ کو

لذت جماع کی تعلیم دے۔ یہی حال بچہ کی مصلحت بیت و تدبیر بیت کی تعلیم دینے کا ہے۔ بلکہ وہ اسے سمجھائے کہ تمہاری مصلحت اس میں ہے کہ تم مکتب جایا کرو۔ پس عامی اگر اس کی بابت سوال کرے' تو تو اسے جھڑک کر روک دیا جائے اور کہہ دیا جائے۔ "لیس هذا بعشک فادرجی" (اس میں تیرا کوئی حق نہیں' تو اپنی راہ لگ۔) امام مالک نے سائل استواء کے لئے حکم دیا کہ اس کو نکال دو اور فرمایا کہ میں تجھے برا جانتا ہوں' حالانکہ آپ کو پسینہ آیا ہوا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اگر کوئی آیات متشابہات کی نسبت سوال کرتا۔ تو آپ اس سے یہی سلوک کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم سے پہلے لوگ کثرت سوال کے سبب سے ہلاک ہو گئے۔ مسئلہ قدر میں امساک کا حکم آیا ہے۔ تو صفات میں بطریق اولیٰ ایسا ہونا چاہیے۔

رہا آیات و احادیث صفات میں امساک' سو سامع کو چاہیے' کہ ان کا قائل ہو جب کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور ان میں تفسیر یا تاویل یا تصریف یا تفریق یا جمع میں تصرف نہ کرے۔ تفسیر نہ کرنا اس طرح ہے کہ ایک لغت کا لفظ دوسری لغت کے ساتھ نہ بدلا جائے' کیونکہ بعض وقت وہ کلمہ اس لغت میں نہیں ہوتا۔ اور بعض وقت کلمہ ایک لغت میں مستعار ہوتا ہے اور دوسری میں نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایک لغت میں مشترک ہوتا ہے اور دوسری میں نہیں ہوتا۔ اس وقت استعارہ کے ترک سے اور اس اعتقاد سے کہ مشترک کے دو معنوں میں سے فلاں ایک مراد ہے بڑی خرابی ہو گی تاوقتیکہ ظاہر کو پھیر دے اور مرجوح سے تمسک کرے۔ اگر وہ عامی ہے تو ایسے سمندر میں کودتا ہے جس کا ساحل نہیں' حالانکہ وہ تیراک نہیں۔ اگر عامی ہے تو اس کے

لئے بجز شرائط تاویل یہ جائز نہیں۔ اسے عامی کے ساتھ اس میں دخل نہ دینا چاہیے' کیونکہ عامی تو اس کے سمجھنے سے عاجز ہے۔ اس میں تفکر سے باطن کا روکنا اس لئے ہے کہ سامع ایسی شے میں داخل نہ ہو جائے جو کفر ہو۔ جس کو وہ اپنے نفس سے دور نہ کر سکے اور نہ دوسرا ایسا کر سکے۔ رہا اعتقاد رکھنا کہ نبی ﷺ اس کو جانتے تھے۔ سو سامع کو چاہیے کہ یہ جان رکھے اور اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کی ذات شریف پر قیاس نہ کرے' اور نہ آپ کے اصحاب پر اور نہ اکابر علماء پر قیاس کرے۔ کیونکہ ان کے قلوب معادن و جواہر ہیں' اس کے بعد کلام دو فصلوں میں ہے۔

فصل اول

جہت سے پاک ہونے کے دلائل

اللہ تعالیٰ جہت سے پاک ہے۔ اس کے متعلق ہم حسب ذیل گزارش کرتے ہیں۔ اول: یہ کہ اگر وہ لوگ اخبار و آثار کے ساتھ بحث کریں۔ تو تجھے معلوم ہے کہ ان میں کیا ہے؟ وہ کسی صحابی' یا تابعی کا نام نہیں بتا سکے جو جہت کا قائل ہو۔ علاوہ ازیں نفس الامر میں حق یہ ہے کہ لوگ حق کے ساتھ پہچانے جاتے ہیں۔ حق لوگوں کے ساتھ نہیں پہچانا جاتا۔ ابوداؤد نے اپنی سنن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حق کو ہر شخص سے قبول کرو خواہ وہ کافر ہو یا فاجر ہو اور حکیم کی کجروی سے بچو۔ حاضرین نے عرض کیا کہ ہم کو وہ کافر حق کہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حق پر نور ہوتا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بے شک سچ فرمایا ہے اور اگر تقلید کا قلادہ گلے میں ڈالا جائے' تو ہم امن میں ہیں اس سے کہ کوئی کافر ہمارے پاس ایسے شخص کو لائے جو اس کے مذہب میں بڑا ہو اور کہہ دے کہ حق کو اس کے ساتھ پہچانو۔ چونکہ تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ ان لوگوں کے لئے نقل میں کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے جان لے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے خطاب نہیں کیا مگر ان لوگوں سے جو عقل و بصیرت والے ہیں۔ قرآن اس مضمون سے بھرا پڑا ہے۔ عقل ہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کی پہنچان کرانے والی اور اس کے پیغمبروں کی رسالت پر حجت قائم

کرنے والی ہے۔ کیونکہ نقل کے ساتھ اس کے اثبات کی معرفت کی طرف کوئی راہ نہیں۔ شرع نے عقل کی تعدیل کی ہے اور اس کی شہادت کو قبول کیا ہے اور کتاب اللہ میں کئی جگہ اس کے ساتھ استدلال کیا گیا ہے۔ مثلاً انشاء کے ساتھ اعادہ پر استدلال میں قول الٰہی میں ہے۔ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلاً وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ الایہ

"اور بٹھاتا ہے ہم پر کہاوت اور بھول گیا اپنی پیدائش الآیہ۔ (یٰسین۔ ع۵)"

فلاسفہ جو معاد جسمانی کے منکر ہیں اس آیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کے مباحث کو توڑ دیا ہے۔ عقل ہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر استدلال کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ لَوْکَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا "اگر ہوتے ان دونوں میں اور حاکم سوائے اللہ کے۔ البتہ دونوں خراب ہوتے۔ (انبیاء۔ ع۲)" اور فرمایا۔ وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ "اور نہ اس کے ساتھ کسی کا حکم چلے۔ یوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم والا اپنے بنائے کو اور چڑھ جاتا ایک پر ایک۔ (مومن۔ ع۵) اور فرمایا۔ اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ "کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں نگاہ نہیں کی۔ (اعراف۔ ع۲۳)" اور فرمایا۔ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ "تو کہہ۔ دیکھو تو کیا کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں۔ (یونس۔ ع۱۰)" اور فرمایا۔ قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰی وَ فُرَادٰی ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا "تو کہہ یہ کہ میں تو ایک ہی نصیحت کرتا ہوں تم کو کہ اٹھ کھڑے ہو۔" اللہ کے کام پر دو دو اور ایک ایک۔ پھر دھیان کرو۔ (سبا۔ ع۶) اور فرمایا۔ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ "اب ہم دکھا دیں گے

ان کو اپنے نمونے دنیا میں اور ان کی جانوں میں۔ (حم سجدہ۔ ع ۶)"

اس لئے نقصان ہے اس کے لئے جو ایسے شاہد کو رد کر دے جسے اللہ نے قبول کیا ہے اور ایسی دلیل کو گرا دے جسے اللہ نے قائم کیا ہے۔ یہ لوگ ایسے شاہد کی شہادت کو پھینک دیتے ہیں اور اپنے ایسے مشائخ کے اقوال کی طرف رجوع کرتے ہیں جن میں سے کسی سے اگر اس کے دین کی بابت سوال کیا جائے۔ تو اسے اس کے ثابت کرنے کی لیاقت نہیں' اور جب میدان تحقیق میں اس کا مقابلہ کیا جائے۔ تو عاجز آکر یوں بول اٹھے۔ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ۔ اور صحیح بخاری میں حدیث [۲۶] کسوف میں وہ مضمون ہے جس سے قبروں میں ان لوگوں کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہم کہتے ہیں کہ عقل ہی مدار تکلیف ہے' اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر حساب قائم کیا اور اپنے کلام میں اس کی شہادت قبول فرمائی' اور اسی کے ساتھ اپنے دین کے اصول ثابت کئے۔ اس عقل نے اس مذہب کی خباثت اور اس عقیدے کے فساد کی شہادت دی اور بتا دیا کہ اس عقیدے کی بازگشت اللہ تعالیٰ کو نقائص کے ساتھ وصف کرنے کی طرف ہے۔ اللہ بہت برتر ہے اس سے جو ظالم لوگ کہتے ہیں۔ مشائخ طریقت نے بھی آگاہ کر دیا ہے جس پر عقل شاہد اور جس کے ساتھ قرآن ناطق ہے ایسے طرز سے کہ جس کو خاص سمجھتے ہیں اور عام اس سے نفرت نہیں کرتے۔ اس کا بیان کئی وجہ سے ہے۔

برہان اول۔ صاحب حسب زکی و نسب عالی سید العلماء و وارث خیر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم امام جعفر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر اللہ کسی شے میں ہو' تو وہ محصور ہو گیا۔ اس دلالت کی تقریر یوں ہے کہ اگر وہ ایک جہت

میں ہو۔ تو بحسب حس مشار اللہ ہو گا۔اور یہ لوگ خدا کی طرف اشارہ حسی کو جائز سمجھتے ہیں۔ وہ ایک جہت میں مشار الیہ ہوا۔ تو اس کا متناہی ہونا لازم آیا اور یہ اس لئے ہے' کہ جب وہ ایک جہت میں ہوا اور دوسری جہات میں نہ ہوا' اس لیے ایک جہت میں ثابت ہوا۔ متناہی کے یہی معنی ہے اور ہر متناہی حادث ہوتا ہے۔ کیونکہ باقی مقادیر کو چھوڑ کر اس مقدار کے ساتھ اس کی تخصیص کے لئے جہت میں اس کی ضرورت ہے۔ اس برہان عقلی سے ظاہر ہو گیا کہ قول بالجہت موجب ہے خالق کے مخلوق ہونے اور رب کے مربوب ہونے کا اور اس کی وجہ سے متصرف فیہا ہونے اور قابل نقصان و زیادت ہونے کا۔ اللہ بہت برتر ہے اس سے جو ظالم لوگ کہتے ہیں۔

برہان دوم: شیخ الطریق وعلم التحقیق حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام سے مستفاد ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ لَمْ یَزَلْ وَالْعَرْشُ مُحْدَثٌ وَالْعَرْشُ بِالرَّحْمٰنِ اِسْتَوٰی (رحمٰن ہمیشہ رہا ہے اور عرش حادث ہے اور عرش رحمٰن کے ساتھ قائم ہوا۔) اس برہان کی تقریر یوں ہے کہ وہ جہت جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے قول کی بنا پر مختص ہے اور جسے وہ عرش کہتے ہیں معدوم ہو گی یا حادث' پہلی صورت بالاتفاق محال ہے اور اس لئے بھی کہ وہ اشارہ حسیہ کے قابل ہے اور اشارہ حسیہ معدوم کی طرف محال ہے۔ اس لئے وہ موجود ہو گی۔ جب موجود ہوئی' تو قدیم ہو گی یا حادث۔ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ قدیم ہوئی' تو اللہ اور اس کی صفات کے سوا ایک اور قدیم پایا گیا۔ اس صورت میں یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ دونوں میں سے معبود کون ہے؟ یہ اس عقیدے کی خرابی ہے۔ اگر حادث ہو' تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تحیز پیدا ہو' پس لازم آیا کہ اللہ تعالیٰ صفات نفسیہ

حادثہ کے قابل ہو' اللہ اس سے برتر ہے۔

برہان سوم: لسان الطریقہ وطبیب القلوب ابو القاسم جنید رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد ذیل سے ماخوذ ہے۔ مَتٰی یَتَّصِلُ مِن لَّاشَبِیْهَ لَهٗ وَلَا نَظِیْرَ لَهٗ بِمَن لَّهٗ شَبِیْه وَنَظِیْرٌ هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ هٰذَا ظَنٌّ عَجِیْبٌ (جس کی نہ کوئی شبیہ ہو' نہ نظیر۔ وہ اس سے کب متصل ہو سکتا ہے جس کی شبیہ و نظیر ہو۔ بعید ہے بعید ہے۔ یہ عجیب ظن ہے۔)

اس برہان کی تقدیر یوں ہے کہ اگر اللہ تعالٰی ایک جہت میں ہو۔ تو تین حال سے خالی نہیں۔ اس جہت سے بڑا ہو گا یا برابر یا چھوٹا۔ جب بڑا ہو گا۔ تو اس کی جہت کے مساوی مقدار زائد مقدار سے مغائر ہو گی۔ پس وہ اجزاء سے مرکب ہو گا' اور یہ محال ہے کیونکہ ہر ایک مرکب اپنے جزو کا محتاج ہوتا ہے' اسکا جزء اس کا غیر ہوتا ہے۔ اس طرح ہر مرکب اپنے غیر کا محتاج ہو' اور جو غیر کا محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ مقدور میں جہت کے مساوی ہو' اور جہت قابل انقسام ہے کیونکہ اس کے اجزاء کی طرف اشارہ حسیہ ممکن ہے۔ پس جو مقدار میں جہت کے مساوی ہو وہ بھی منقسم ہو گا۔ اگر وہ مقدار میں جہت سے چھوٹا ہو (اللہ تعالٰی اس سے بہت برتر ہے۔) تو اگر جوہر[۲۷] فرد کے مساوی ہو۔ تو ان کا خدا جوہر فرد کی مقدار ہوا۔ کوئی عاقل اس کا قائل نہیں۔ اس پر تو بادی الرای میں جاہل زنگی بھی ہنسیں گے۔ اگر جوہر فرد سے بڑا ہو' تو منقسم ٹھہرے گا' پس اس مذہب کی طرف اور لازم مذہب کی طرف دیکھئے' اللہ اس سے برتر ہے۔

برہان چہارم: حضرت جعفر بن نصیر رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد سے مستفاد ہے اور وہ یوں ہے کہ آپ سے اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی کی بابت سوال کیا گیا'

تو آپ نے یوں جواب دیا اِسْتَوٰی عِلْمَهٗ بِكُلِّ شَيْئٍ فَلَيْسَ شَيْئٍ اَقْرَبُ اَلَيْهِ مِنْ شَيْئٍ (اسے ہر شے کا علم برابر ہے' کوئی شے دوسری شے کی نسبت اس کے زیادہ نزدیک نہیں۔)

اس برہان کی تقریر یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جہات کی نسبت یکساں ہے۔ پس ممتنع ہے کہ وہ ایک جہت میں ہو' اس امر کا بیان کہ جہات کی نسبت اس کی طرف یکساں ہے' اس طرح ہے کہ جہت امر وجودی ہے۔ اگر وہ اللہ کے ساتھ قدیم ہو تو دو متمیز بالذات قدیموں کا وجود لازم آتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ تمیز بالذات نہ ہوں' تو جہت خدا ہوگی اور خدا جہت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے۔ اگر جہت قدیم نہ ہو۔ تو اللہ کا اختصاص اس کے ساتھ یا تو اس لئے ہوگا کہ اس کی ذات اس جہت کی مقتضی ہے۔ پس ذات کی صفات نفسیہ میں فاعل ہونا لازم آئے گا۔ یا اس کا اختصاص غیر ذاتی ہو۔ پس جہات کی نسبت اس کی ذات کی طرف یکساں ہوگی۔ پس ایک جہت کا دوسری جہت پر مرجح اس کی ذات سے خارج امر ہوگا۔ اس طرح ایک جہت کے ساتھ اختصاص میں اس کے غیر کی طرف محتاج ہونا لازم آیا اور اختصاص بالجہت تحیز عین ہے اور تحیز ایک صفت ہے جو متحیز کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ پس ذاتِ صفت میں اس کا غیر کی طرف محتاج ہونا لازم آیا اور یہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

معلوم رہے کہ یہ براہین جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور جن کو ہم نے مشائخ طریق سے اخذ کیا ہے' ان کو ہم نے قرآن کریم سے استنباط کیا ہے۔ لیکن قرآن میں سب کچھ جو ہے اسے ہر ایک نہیں پہنچانتا۔ اس میں سے ہر ایک بقدر اپنے ظرف کے چلو بھرتا ہے اور اس کے پانی سے ایک قطرہ بھی کم نہیں ہوتا۔

سلف لڑائیوں اور فتوحات کے واقعات قرآن کریم سے استنباط کیا کرتے تھے۔ ابن برجان رحمہ اللہ تعالیٰ نے صلاح الدین کے ہاتھ پر قدس کے فتح ہو جانے کا سال قرآن ہی سے استنباط کیا تھا۔ بعض متاخرین نے سورہ روم سے ۶۷۳ھ کے بعد کے واقعات کی طرف اشارہ استنباط کیا ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تورات سے استنباط کیا کہ عبداللہ قلابہ ارم ذات العماد میں داخل ہو گا اور اس کے سوا دوسرا داخل نہ ہو گا' اور آپ تورات ہی سے استنباط کیا کرتے تھے جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے وقوع میں آنے والا تھا اور جو کچھ شام کے لشکروں کو پیش آنے کو تھا اور یہ مشہور ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں وہ نازل فرمایا ہے کہ جس سے ایک شخص بہت کچھ سمجھ جاتا ہے اور دوسرا کچھ بھی نہیں سمجھتا۔ کلام فقہاء سے احکام کے استنباط میں اور قصائد شعراء سے معانی کے استنباط میں مراتب مختلف ہیں' لیکن کلام اللہ شریف میں جہت کی نفی میں جو کچھ وارد ہوا ہے' اسے خاص لوگ پہنچانتے ہیں اور عام نہیں پہنچانتے' از انجملہ قول باری تعالیٰ ہے "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْئٌ نہیں ہے اس کا سا کوئی۔ شوریٰ۔ ع ۲) اگر کوئی جہت اس کو حصر کرتی' تو وہ اس جہت میں محصور ہوتا

فاقول! (میں کہتا ہوں) قول باری تعالیٰ ہے "هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا" کیا آپ جانتے ہیں' کوئی اس کے نام کا۔ (مریم۔ ع ۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کیا تو جانتا ہے اس کے لئے مثل۔" قیوم ہے' بناء مبالغہ سے بدیں طور کہ وہ قائم بنفسہ ہے اور ماسواء اس کے ساتھ قائم ہے۔ پس اگر وہ جہت کے ساتھ قائم ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے قول المصور (صورتیں بنانے والا) سے بھی جہت کی نفی مفہوم ہوتی

ہے۔ کیونکہ اگر وہ ایک جہت میں ہوتا۔ تو تصور کرو کہ اس نے اپنی صورت آپ بنائی ہے یا غیر نے بنائی ہے اور یہ دونوں محال ہیں۔ اس قول الٰہی سے بھی جہت کی نفی مفہوم ہوتی ہے۔ "وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ" "اور اٹھائے ہوئے ہیں تخت تیرے رب کا اپنے اوپر اس دن آٹھ۔" (الحاقہ ع ۱) اگر خدا تعالیٰ حقیقتاً عرش کے اوپر ہو' تو محمول ٹھہرے گا۔ اس لیے اس آیت سے بھی جہت کی نفی سمجھی جاتی ہے۔ كُلُّ شَيْئٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ "ہر چیز فنا ہے مگر منہ اس کا۔" (قصص ۔ ع ۹) اور عرش فنا ہونے والی چیز ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کسی جہت میں نہ ہو۔ پھر ایک جہت میں ہو جائے۔ تو اس میں تغیر پایا گیا اور یہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

مدعی نے جان لیا کہ قرآن ایسی چیزوں اور اشارات سے بھرا پڑا ہے۔ تو کہہ دیا کہ ان چیزوں کی دلالت مثل الغاز (چیستان یا سخن سربستہ) کے ہے۔ کیا اس سے معلوم نہیں کہ عقائد کے اسرار جن کو عوام کی عقلیں برداشت نہیں کر سکتیں۔ اسی طرح بیان ہوتے ہیں' قرآن میں جسمیت کا نافی کہاں ہے؟ مگر بر سبیل الغاد وہاں بھی فخر نہیں کرتے مگر پوشیدہ امور کے استنباط میں۔ مثلاً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اجماع کو وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ الایہ (نساء ۔ ع ۱۷) سے استنباط کرنا اور قیاس کا استنباط فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ۔ (حشر ۔ ع ۱) سے اور امام موصوف کا خیار مجلس کو اس طرح استنباط کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھائی کی بیع پر بیع کو منع فرمایا۔

خلاصہ اس مسئلہ کا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمہور کو عقائد میں سے بجز لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے اور کسی چیز کے ساتھ مکلف نہیں فرمایا۔

جیسا کہ امام مالک نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو جواب دیا تھا اور باقی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ پر چھوڑا۔ نہ حضور ﷺ سے اور نہ حضور ﷺ کے اصحاب کرام سے عقائد کے بارے میں بجز گنتی کے کلمات کے کچھ سننے میں آیا ہے۔ پس اس قسم کا مسئلہ پوشیدہ رکھا جاتا ہے اور اس کے افادہ میں سخن سربستہ سے کام لیا جاتا ہے۔

فصل ثانی

مدعی کی ملمع سازی کی تردید

مدعی کی اس ملمع سازی کی تردید میں کہ قرآن و حدیث میں ایسا کلام پایا جاتا ہے جس کے ظاہر سے دل میں اس چیز کا خیال گزرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ بنا بر قول متکلمین پاک ہے، ہم گزارش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ الآیہ (آل عمران۔ ع ۱) اس آیت نے بتا دیا قرآن میں بعض آیتیں محکم ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔ اور متشابہ کی نسبت بندے کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان کی تاویل اللہ اور مضبوط [۲۸] علم والوں پر چھوڑ دے۔ اس کے بعد ہم عرض کرتے ہیں کہ نبوت نے متشابہ کے بارے میں کوئی نص ظاہراً پیش نہیں کی۔ کیونکہ نبوت کا بڑا مقصود عالم لوگوں کی ہدایت ہے، چونکہ اکثر حصہ محکم ہے اور عوام کو متشابہات میں خوض کرنے سے روکا گیا ہے، اس لئے مقصود حاصل ہو گیا۔ بشرطیکہ اللہ تعالیٰ ان پر کوئی شیطان تعین نہ کرے جو ان کو بھلا دے اور ہلاک کر دے۔

متشابہ کے فوائد میں سے ایک تو بعض علماء کے درجوں کا دوسرے علماء کے درجوں پر بلند کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وفوق کل ذی علم علیم (اور ہر جاننے والے کے اوپر ہے ایک جاننے والا۔ یوسف ۔ ع ۱) اور اس کے سمجھنے سمجھانے اور سیکھنے سکھانے میں کوشش کرنے سے زیادہ ثواب کا حاصل کرنا ہے۔ نیز اگر متشابہ واضح جلی اور بذات خود مفہوم ہوتا۔ تو لوگ باقی علوم نہ سیکھتے بلکہ ان کو کلیتہ چھوڑ دیتے اور کتاب اللہ بذات خود واضح و ظاہر ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے کلام کے سمجھنے میں علوم معینہ میں سے کسی علم کی حاجت نہ پڑتی۔ دیگر آنکہ متشابہ میں اس امر کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے جو لوگوں کی نظروں میں بڑا ہے' اگرچہ نفس الامر میں اس سے بھی بڑا ہو جیسا کہ عبدالعزیز ماجشون نے اس معاملہ میں آگاہ کر دیا ہے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی نعمت کے بارے میں فرمایا ہے۔ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ○ وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ○ وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ وَمَاءٍ مَّسْكُوْبٍ الایہ (بیچ بے خار بیری کے درختوں اور تہ بتہ کیلوں اور لمبے سایہ اور گرائے ہوئے پانی کے۔ (واقعہ ۔ ع۱) اگرچہ بہشت میں اس سے بھی بڑی نعمت ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اللہ عزوجل سے بر سبیل حکایت فرمایا ہے۔ اَعْدَدْتُّ لِعِبَادِيْ الصَّالِحِيْنَ مَالاَ عَيْنٌ رَاَتْ وَلاَ اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلاَ خَطَرٌ عَلٰى قَلْبٌ بَشَرٍ۔ "میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے تیار کر رکھا ہے وہ جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر گزرا۔" ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارا ٹھکانہ اس میں بنائے اور ہماری بصیرت و بصارت کو روشن کر دے اور اس تحریر[۲۹] کو اپنے احسان و کرم سے اپنی خوشنودی کا ذریعہ بنائے اور ہم انتظار میں ہیں کہ دیکھیں

مدعی اب کیا ملمع سازی اور فساد کرتا ہے تاکہ ہم اس کی کجروی و عناد کے مدارج کھول کر بتا دیں اور راہ خدا میں جہاد کریں جیسا کہ حق جہاد ہے۔ (وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ)

حواشی

۱۔ مجسمہ و مشبہہ ان ہی میں سے ہیں۔ حشویہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان کا ایک گروہ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوا اور وہ اپنا غلط عقیدہ بیان کرنے لگے۔ حضرت امام نے فرمایا۔ رُدُّوْا هٰؤُلَاءِ اِلٰى حَشَا الْحَلْقَةِ (اسے جا بٹھا۔) حاضرین نے یہ سن کر ان کا نام حشویہ رکھ دیا۔ کیونکہ وہ تجسیم (یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ ایک جسم ہے۔) کے قائل تھے۔ اور جسم کا محشو (بھرا ہوا) ہونا ظاہر ہے۔ شفاء الغلیل للشہاب الخفاجی وغیرہ۔

۲۔ موضع ہجر و بحرین کی ایک جماعت تھی جو اپنے سرکردہ قرمط کی طرف منسوب تھی۔ قرامطہ کا فتنہ بالخصوص بلاد یمن و شام و عراق میں بہت پھیلا۔ ان کی عادت تھی کہ جس شہر میں جاتے بے دریغ قتل و غارت کرتے۔ چنانچہ ۳۱۷ھ میں ایک قرمطی ابو طاہر نام نو سو کی جمیعت کے ساتھ مکہ مشرفہ میں داخل ہوا۔ انہوں نے مسجد حرام شریف میں سترہ سو اور بقول بعض تیرہ ہزار مردوں کو قتل کر ڈالا۔ ابو طاہر پلید نے بیت اللہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر خدائی دعویٰ کیا۔ انہوں نے حجر اسود کو اکھاڑ کر توڑ ڈالا اور اسے ہجر میں اٹھا لے گئے۔ وہاں قریباً بیس سال رہا' اور پھر اپنی جگہ پر لایا گیا۔ التعلیقات السنیہ البہیہ علی الفوائد البہیہ۔

۳۔ قدریہ وہ فرقہ ہے جو کہتے ہیں کہ بندہ اپنے فعل کا مختار ہے۔ تمام امور میں اسے حق تعالیٰ کی مدد کی حاجت نہیں۔ ۱۲

۴۔ کسی چیز کو دیکھنے کے لئے یہ شرطیں ہیں۔ وہ چیز دیکھنے والے کی جہت میں ہو اور اس کے مقابل و محاذی ہو' اور دونوں کے درمیان مسافت مقررہ ہو' نہ نہایت قریب نہ نہایت بعید۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز دیدارِ الٰہی میں مقابلہ و

مواجہہ و قرب و بعد نہ ہو گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ جہت و مقابلہ و مسافت سے منزہ ہے۔ غرض! اہل ایمان آج خدا تعالیٰ کو بے کیف و بے چگون جانتے ہیں۔ کل کو اسے بے کیف دیکھیں گے۔"

۵۔ اشارہ ہے اس آیت قرآن کی طرف۔ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (سورۃ فجر)

۶۔ جنگ صفین میں طرفین نے فیصلہ کے لئے منصف تسلیم کر لئے۔ تو شیعہ علی کے ایک گروہ (جو خوارج کہلائے) نے اس تحکیم پر کفر کا فتویٰ دیا اور کہا کہ لَا حُکْمَ اِلَّا اللّٰہُ (نہیں حکم مگر اللہ کا۔) حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے سن کر فرمایا "کَلِمَةُ حَقٍّ اُرِیْدُ بِهَا الْبَاطِلُ" (یہ کلمہ حق ہے جس سے مراد باطل ہے۔) کلمہ حق اس واسطے فرمایا کہ قول الٰہی اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا اللّٰہُ کے مطابق ہے۔ مگر اس سے ان کی مراد (تحکیم کا کفر و معصیت ہونا) باطل تھی اس لئے کہ امور دینیہ میں تحکیم جائز ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَهْلِهَا۔ (النساء ۔ ع) (اور اگر ڈرو تم خلاف سے درمیان ان دونوں کے' پس مقرر کرو ایک منصف مرد کے لوگوں میں سے اور ایک منصف عورت کے لوگوں میں سے۔" اسی طرح جزاء صید میں وارد ہے۔ یَحْکُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ (مائدہ ۔ ع ۱۳) "حکم کریں ساتھ اس کے دو صاحب عدالت تم میں سے۔"

۷۔ دلالت مطابقی یہ ہے کہ لفظ اپنے تمام موضوع لہ معنی وضعی پر دلالت کرے جیسا کہ لفظ انسان کی دلالت حیوان ناطق پر جو اس کا موضوع لہ ہے اور دلالت تضمنی یہ ہے کہ لفظ اپنے موضوع لہ کی جزء پر دلالت کرے جیسا کہ لفظ انسان کی دلالت حیوان یا ناطق پر اور دلالت التزامی یہ ہے کہ لفظ اس چیز پر دلالت کرے

جو اس کے موضوع لہ سے خارج ہو مگر اس کا لازم ہو جیسا کہ لفظ انسان کی دلالت کاتب یا ضاحک پر ۱۲۔

۸۔ جب یہ احتمال ثابت ہو گیا۔ تو مدعی کا اس کے ساتھ اپنے مدعا پر استدلال باطل ہو گیا' دیگر وجوہ تاویل کتب تفاسیر میں مذکور ہیں۔ ۱۲

۹۔ اللہ تعالیٰ مکانی نہیں' اس لئے اس آیت میں لفظ **الیہ معروف عن الظاھر** ہے۔ تفسیر حسینی میں ہے۔ الیہ بسو نے امر خدا یعنی بموضع کہ خدا فرماید انتے اسی طرح قول سیدنا ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام ہے۔ **اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ**۔ یعنی میں جانے والا ہوں جہاں تک میرے رب نے مجھے جانے کا حکم دیا ہے۔ ۱۲

۱۰۔ مدارک التنزیل میں ہے کہ اگر **مِنْ فَوْقِهِمْ** کو **يُخَافُوْنَ** کے متعلق سمجھا جائے۔ تو معنی یہ ہوں گے کہ وہ خدا سے ڈرتے ہیں کہ ان کے اوپر سے ان پر عذاب بھیجے اور اگر اس کو ربھم سے حال سمجھا جائے۔ تو معنی یوں ہوں گے کہ وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو ان پر غالب و قاہر ہے۔ جیسا کہ اس قول الٰہی میں۔ **وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ**۔ ۱۲

۱۱۔ قرآن مجید میں ہے۔ ثم استویٰ علی العرش یہاں صیغہ فعل ہے جس کے ساتھ ثم حرف تراخی ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ استواء اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو زمانہ و تراخی کے ساتھ مقید ہے جیسا کہ افعال ہوا کرتے ہیں اور اس کو صفت کہنا خلاف ظاہر کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں مستوی نہ کتاب اللہ میں آیا ہے' نہ سنت میں۔ تاکہ اس کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر بطور صفت یا علم کے درست ہو سکے۔ امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت حادث

نہیں۔ لہٰذا اس کو کسی طرح صفت میں شمار نہیں کر سکتے۔"

۱۲۔ اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو۔ ۱۲

۱۳۔ اور ہم دھڑکتی رگ کی نسبت اس سے زیادہ قریب ہیں۔ ۱۲

۱۴۔ اس کے بعد یوں۔ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۔ "اور اسی طرح بھلے دکھائے تھے فرعون کو اس کے برے کام اور روکا گیا' اور روکا گیا راہ سے اور جو داؤ تھا فرعون کا۔ سو کھپنے کے واسطے۔"

۱۵۔ اتاری گئی ہے حکمت والے تعریف کیے گئے کی طرف سے ۱۲۔

۱۶۔ اور جن کو ہم نے کتاب (تورات)دی' وہ سمجھتے ہیں کہ تحقیق یہ (قرآن) تیرے رب کے پاس سے نازل کیا گیا ہے۔

۱۷۔ کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے' حالانکہ میں امین ہوں ان کا جو آسمان میں ہیں۔ میرے پاس خبر آتی ہے ان کی جو آسمان میں ہیں صبح و شام ۱۲۔

۱۸۔ وہ حدیث سنن ابی داؤد۔ کتاب الطب میں یوں وارد ہے۔ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ خَالِدِ بْنُ مَوْهَبِ الرَّمْلِيِّ نَااللَّيْثُ عَنْ زِيَادَةَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبِ الْقُرَظِيِّ عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ اشْتَكٰى مِنْكُمْ شَيْئًا اَوِاشْتَكَاهُ اخٌ لَهٗ فَلْيَقُلْ رَبُّنَا اللّٰهُ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ تَقَدَّسَ اِسْمُكَ اَمْرُكَ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ كَمَا رَحْمَتَكَ فِي السَّمَاءِ الحديث... اس حدیث کی سند میں زیادہ بن محمد منکر الحدیث ہے۔ تہذیب التہذیب میں ہے۔ زيادة بن محمد الانصاري قال البخاري والنسائي و ابوحاتم منكر الحديث....

روی له ابو داؤد والنسائی حدیثا واحدا فی الرقیة من حصاة البول۔ قلت وقال ابن حبان منکر الحدیث جد ایروی المناکیر عن المشاهیر فاستحق الترک انتهی۔ سند میں ایسے منکر الحدیث روای کے سبب سے مصنف نے بدتقدیر صحت حدیث جواب دیا ہے۔

۱۹۔ اوعال جمع ہے وعل کی جس کے معنی پہاڑی بکرے کے ہیں' یہاں مراد حاملان عرش ہیں جو بشکل اوعال ہیں۔ یہ حدیث ترمذی و ابوداؤد میں ہے۔ ترمذی میں یہ حدیث تفسیر سورہ الحاقہ کے تحت میں یوں وارد ہے۔" حدیث بیان کی ہم سے عبد بن حمید نے کہ خبردی ہم کو عبدالرحمٰن بن سعد نے عمرو بن ابی قیس سے' اس نے سماک بن حرب سے۔ اس نے عبداللہ بن عمیرہ سے۔ اس نے احنف بن قیس سے۔ اس نے عباس بن عبدالمطلب سے' کہا عباس نے کہ میں بطحاء میں (کفار کے) ایک گروہ میں بیٹھا ہوا تھا اور رسول اللہ ﷺ ان میں تشریف رکھتے تھے۔ ناگاہ ان پر ایک بادل گزرا' انہوں نے اس کی طرف نظر اٹھائی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اس کا کیا نام ہے۔ وہ بولے کے ہاں! یہ سحاب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور مزن۔ انہوں نے کہا: کہ مزن بھی کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور عنان۔ انہوں نے کہا کہ عنان بھی بولتے ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ آسمان اور زمین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ وہ بولے کہ نہیں۔ اللہ کی قسم! ہم نہیں جانتے۔ آپ نے فرمایا: ان کا درمیانی فاصلہ ایک یا دو یا تین اور ستر سال کی راہ ہے اور اس سے اوپر کے آسمان کا بھی اتنا ہی فاصلہ ہے یہاں تک کہ آپ نے اسی طرح سات آسمان گن دیئے' پھر فرمایا: کہ ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے جس کے

اعلیٰ و اسفل میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک ہے اور اس کے اوپر آٹھ فرشتے بشکل اوعال ہیں جن کے کھروں اور سرینوں کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک ہے۔ پھر ان کی پیٹھوں پر عرش ہے جس کے اسفل و اعلیٰ کے درمیان وہی فاصلہ ہے جو ایک آسمان سے دوسرے تک ہے اور اللہ اس کے اوپر ہے۔ عبد بن حمید نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن معین کو سنا کہ فرماتے تھے۔ کیا عبدالرحمٰن بن سعد حج کا ارادہ رکھتا ہے؟ کہ اس حدیث کو میں اس سے سنوں۔ یہ حدیث حسن غریب ہے اور ولید بن ابی ثور نے سماک سے بطور رفع ایسا ہی روایت کیا ہے اور شریک نے سماک سے اس حدیث کا ایک حصہ بطور موقوف نقل کیا ہے اور رفع نہیں کیا اور عبدالرحمٰن بیٹا ہے' عبداللہ بن سعد رازی کا۔ انتہے۔

مستدرک حاکم میں تفسیر سورہ الحاقہ کے تحت میں روایت شریک کو جو موقوف ہے نقل کر کے لکھا ہے کہ اس حدیث کو سماک سے بطور رفع روایت کرنے والے شعیب بن خالد رازی اور ولید بن ابی ثور اور عمرو بن ثابت بن ابی المقدم ہیں۔ امام بخاری و مسلم نے ان میں سے کسی سے احتجاج نہیں کیا۔ پھر حاکم نے روایت شعیب کو اقرب الی الاحتجاج کہہ کر نقل کیا ہے۔ جس میں یحییٰ بن العلاء شعیب سے روایت کرنے والا ہے۔ علامہ ذہبی نے تلخیص مستدرک میں یحییٰ مذکور کو ضعیف (واہ) لکھا ہے اور روایت ولید کو اجود بتایا ہے۔

عبداللہ بن عمیرہ جس سے تمام طریق میں سماک روایت کر رہا ہے۔ اس کا حال ذہبی نے میزان الاعتدال میں یوں لکھا ہے کہ عبداللہ مذکور میں جہالت ہے۔ امام بخاری نے کہا کہ اس کا سماع احنف بن قیس سے غیر معروف ہے۔ حدیث مزن و عثمان کو سماک

کے پاس گئے' آپ کی بیوی تاڑ گئی۔ اس نے آپ کو ملامت کی۔ آپ نے انکار کیا حالانکہ بیوی نے آپ کا جماع دیکھا تھا۔ وہ بولی! اگر آپ سچے ہیں۔ تو قرآن پڑھئے' کیونکہ جنب کو قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں' اس پر آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

شهدت بان وعد الله حق
وان النار مثوی الکافرینا
وان العرش فوق الماء حق
وفوق العرش رب العالمینا

یہ سن کر آپ کی بیوی نے جو قرآن پڑھی ہوئی نہ تھی' یوں کہا۔ اللہ سچا ہے' میری آنکھ جھوٹی ہے۔ انتہے

یہ قصہ کتب محاضرات میں مذکور ہے۔ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں نہیں ملتا اور نہ کتب اہل حدیث میں سند متصل کے ساتھ خواہ ایک ہی وجہ سے پایا جاتا ہے۔ اس کی سند غیر منقطع ایک بھی نہیں۔ استیعاب میں روینا ھا من وجوہ صحاح جو چھپا ہے اس میں کلام ہے۔ ناسخ نے صحاح سے پہلے لفظ غیر سہواً چھوڑ دیا ہے۔ ورنہ ابن عبراء کے بعد کسی کے نزدیک بطریق صحیح مروی ہوتا۔ علاوہ ازیں مضمون قصہ ہی بطلان کی دلیل ہے۔ ایک صحابی کی شان سے بعید ہے۔ کہ صحابیہ کو غیر قرآن ہونے کا وہم دلائے۔ ان سب امور کے قطع نظر فوق العرش میں فوقیت بلحاظ علو و عظمت مراد ہو گی' نہ کہ بلحاظ جہت و مکان' جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔

۲۳۔ یعنی اگر مدعی ان پر اعضاء جو قرآن مجید میں مذکور ہیں اقتصار نہ کرے' بلکہ تاویلات سے زیادتی و کمی کر دے۔ تو اس کا مذہب (مجرد ظواہر پر حمل کرنا) باطل

بن حرب نے اس سے اور اس نے حضرت عباس سے روایت کیا ہے اور سماک سے ولید بن ابی ثور نے اور ایک جماعت نے روایت کیا ہے اور یحییٰ بن علاء نے جو ضعیف ہے' اپنے چچا شعیب بن خالد سے اور اس نے سماک سے روایت کیا ہے انتھی۔

تہذیب التہذیب میں عبداللہ مذکور کے ترجمہ میں ہے کہ امام مسلم نے وجدان میں کہا کہ سماک اس حدیث کو عبداللہ مذکور سے روایت کرنے میں منفرد ہے۔ یہ تو سند کا حال ہے۔ ابوبکر بن عربی نے سنن ترمذی کی شرح میں حدیث اوعال کی نسبت لکھا ہے وروی غیر ذلک ولم یصح شیئ منہ وانما ھی امور تلقفت من اھل الکتاب لیس لنا اھل فی الصحۃ مطلب یہ ہے کہ یہ باتیں اسرائیلیات میں سے ہیں جو صحیح نہیں۔ کیا ایسی روایتوں سے صفات ثابت ہو سکتی ہیں؟ اگر ان سب امور سے قطع نظر کی جائے اور حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے۔تو اس کا جواب مصنف نے دے دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو تعلیم کن کی مقصود تھی۔ آپ نے بطور تمثیل طریق ترقی کو ملحوظ رکھا ہے۔ پہلے سحاب۔ پھر آسمان۔ پھر بحر' پھر اوعال' پھر عرش سے خالق' عرش تک پہنچنے میں اور بتا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ علو و عظمت میں' نہ کہ مکان و جہت میں سب سے اوپر اور وراء کل ہے۔

نمبر۳ جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے کھڑا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے منہ کی طرف ہے۔ ۱۲

۲۰۔ تقریب کہتے ہیں دلیل کو اس طرح لانا کہ مطلوب کو مستلزم ہو۔ جب مطلوب غیر لازم اور لازم غیر مطلوب ہو تو تقریب تمام نہیں ہوتی۔ ۱۲

۲۱۔ متواطی اس کلی کو کہتے ہیں جس کا صدق اپنے افراد پر بالسویہ ہو۔ ۱۲

۲۲۔ اس صحابی کا قصہ استیعاب میں یوں مذکور ہے کہ ایک رات آپ اپنی ایک لونڈی

ہو جائے گا اور اس کے لئے دلائل عقل کا قبول کرنا ضروری ہو گا۔ ۱۲

۲۴۔ مجسم وہ شخص ہے جو خدا تعالیٰ کو جسم سمجھتا ہے۔ ۱۲

۲۵۔ معطل وہ شخص ہے جو خدا تعالیٰ کو بے کار خیال کرتا ہے۔ ۱۲

(۲۶)۔ فرقہ جہمیہ اللہ تعالیٰ کی جمیع صفات کا منکر ہے۔ ۱۲

(۲۷)۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کی کتاب غنیتہ الطالبین میں یہ عبارت محققین کے نزدیک الحاقی ہے' کیونکہ اسی کتاب میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم نہیں اور دوسری جگہ میں ہے۔ کہ اللہ عزوجل تمام جہات کا خالق ہے۔ بایں ہمہ آپ ذات الٰہی کے لئے جہت کیسے ثابت کر سکتے ہیں؟ خدا جسمانی و مکانی نہیں' اس کے لئے جہت کس طرح ہو سکتی ہے؟ ذات باری تعالیٰ محل حوادث نہیں بن سکتی۔ اس کی پوری بحث ہم مرزا احمد علی رافعی امرتسری کی کتاب خروس جیلانی کے جواب میں لائے ہیں' جو اب تک غیر مطبوع ہے۔

(۲۸)۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب قبر میں منافق یا مرتاب سے سوال ہو گا۔ تو وہ یوں کہے گا۔ لَاۤ اَدْرِیْ سَمِعْتُ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ شَیْئًا فَقُلْتُهٗ۔ یعنی میں نہیں جانتا' میں نے لوگوں سے سنا کہ کچھ کہتے تھے' سو میں نے وہی کہہ دیا۔ ۱۲

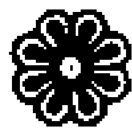
(۲۹)۔ جوہر فرد سے مراد جزء لا یتجزی ہے جو متکلمین کے نزدیک قابل قسمت نہیں ہوتا' مگر حکماء کے نزدیک قابل قسمت ہوتا ہے۔ ۱۲

(۳۰)۔ یہ اس صورت میں ہے کہ آیت میں وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ پر وقف ہو۔ مگر جمہور کے نزدیک اللہ پر واقف ہے۔ ۱۲

(۳۱)۔ فقیر توکلی دست بدعا ہے کہ اس ترجمہ کو بھی اصل کی طرف اللہ تعالیٰ شرف قبولیت بخشے اور اپنی خوشنودی کا ذریعہ بنائے۔ امین بجاہ حبیبہ الکریم ﷺ ۔۱۲

اُمُّ الکتاب

(تفسیر سُورہ فاتحہ)



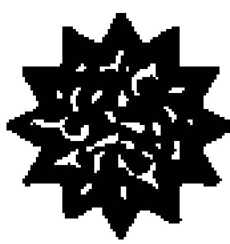
ازافادات

علامہ محمدؐ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تدوین

سیّد محمد ناصر عثمان شاہ گیلانی

— ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات



نوری کُتب خانہ ۰ لاہور

ہر ماہر بنکار کی اہم ضرورت

بلاسُود بینکاری کا شرعی طریقِ کار

اعلیحضرت مولانا شاہ محمد احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ